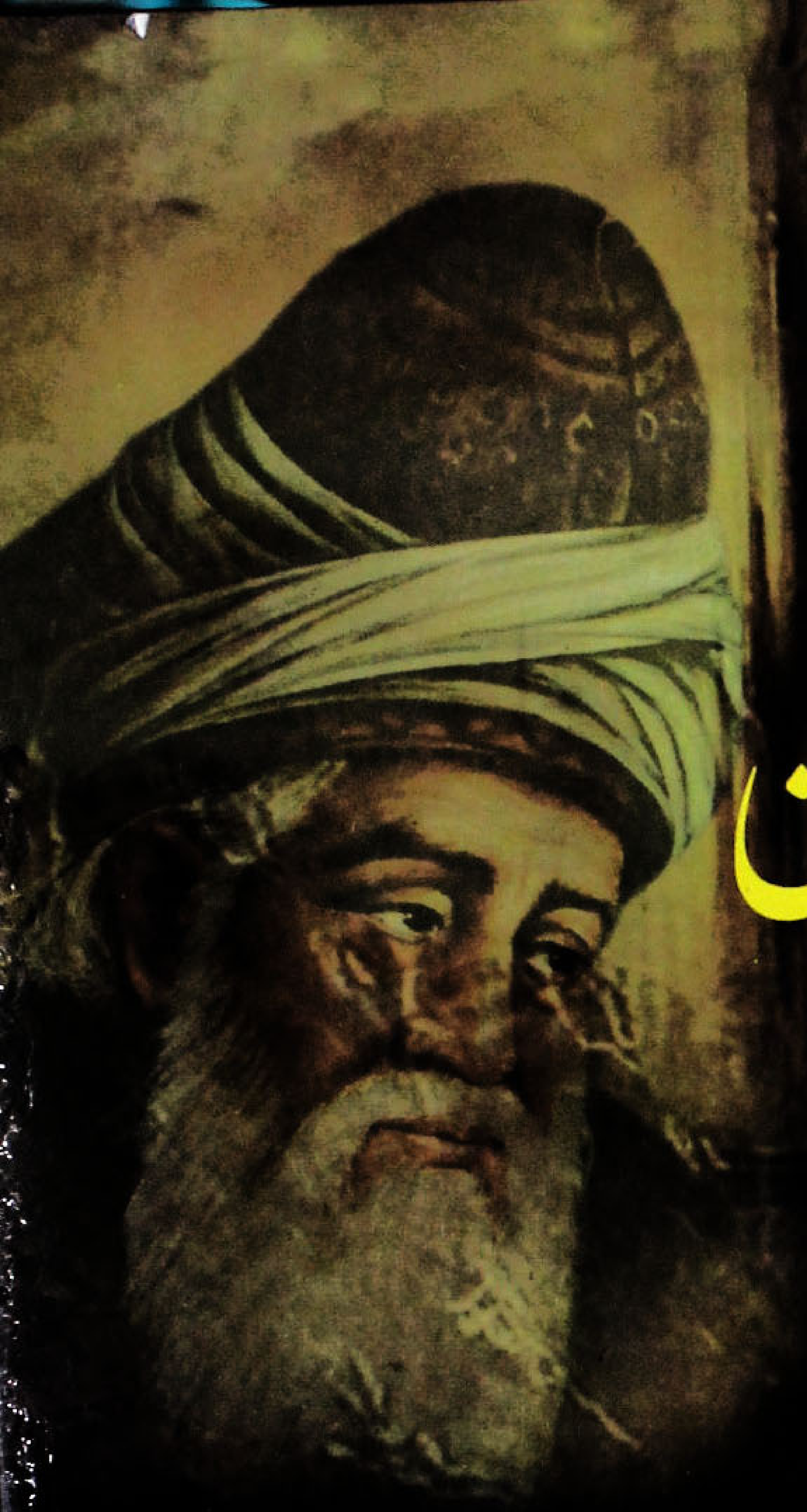

اے تازہ واردانِ بساطِ جہانِ فقر

(فقر و تصوف: ہدایت و تلقین)

مرتبہ: نائلہ اکرام

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی

Marfat.com

ے تازہ واردانِ بساطِ جہانِ فقر

(فقر و تصوف: ہدایت و تلقین)

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی

مرتبہ: نائلہ اکرام

برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف

نام کتاب: اے تازہ واردانِ بساطِ جہانِ فقر

مصنف: پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

اہتمام: ناصر احمد

کمپوزنگ: امانت علی

اشاعت: اپریل 2014ء

تعداد: 1000

ٹائٹل: مدثر علی

ناشر: برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس 43 نسبت روڈ لاہور۔

قیمت (پاؤنڈ): 10 پاؤنڈ

قیمت (روپے): 500 روپے

ملنے کا پتہ برطانیہ:

برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

17 ایمبر سلے روڈ B12 8UR برمنگھم

رابطہ نمبر: 0044 121 440 4096

موبائل: 0044 786 973 4157

E-mail: books@bahu.co

ملنے کا پتہ پاکستان:

نستلیق پبلیکیشنز

فیروز سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37351963 موبائل: 0331-4489310

E-mail: nastalique786@gmail.com

Marfat.com

فہرست مضامین

	عنوان	صفحہ نمبر
دیباچہ	جسٹس جواد ایس خواجہ	7
عرض حال	نائلہ اکرام	11
گزارش	سید احمد سعید ہمدانی	14
اے تازہ واردانِ بساط!		15
	علاماتِ طلب	17
	پیرِ اُستاد	17
	اندیشہ ہائے دور و دراز	18
باطن کا سفر شروع!		20
	تصورِ شیخ	21
	ذکر و فکر	21
	مطالعہ کتبِ تصوف	22
	نیک لوگوں کی صحبت	22
مطلوب و مقصود		23
تقربِ خداوندی		23

Marfat.com

ماباوجودِسنگِ ملامت سلامتیم! 31

دواَشعار 32

ذکروصحبت 34

مرشداورمریدکی طلب وجستجو 37

اوّل سفر، آخرسفر 38

ادب وقرینہ وسلیقہ 39

مرشدکے ساتھ وابستگی 43

مرشدکی قوتِ قدسیہ 44

معرفت 47

عارف مرشد 51

ایک سی حرفی کا بند 52

رفعِ شبہات ودفعِ وساوس 55

خیالات ووساس کا دفاع 56

سیکھنا، سوچنا اور برتنا 57

ہماری سوچ 58

میں، میں......اور میں 59

طبعِ سلیم 61

اِستعانت 62

نظام قدرت 63

Marfat.com

دِل بدست آور کہ حجِ اکبراست 72

صورتِ حال 73

آہِ سحر گاہی 75

ولایت 78

فقیری و درویشی 79

ارشاداتِ فقیر (سلطان العارفین وسلطان الفقر حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ) 82

مرشدِ کامل۔ صاحبِ گنجینہء دل 83

یک نظرِ مرشدِ کامل 84

مرشدِ کامل کی نشانی 85

صاحبِ حکم 88

مرشد مانندِ درخت 89

مرشد مثلِ طبیب 90

مرشد صاحبِ تصرف 91

مرشد اور مرید 92

بے مرشد و بے پیر 93

دل دو اور دل لو 94

عطا مانند موجِ دریا 94

چار قسم کے فقر 95

مرشد پر بدظنی سے بچو 96

Marfat.com

وجودِ فقراء پُر نور ہوتا ہے	98
بادشاہ اور گدا	100
معرفت	100
علم و معرفت	101
علم باعمل	102
فنا و بقا	102
ابتدا و اِنتہا	103
استغنا	103
خدا کے ساتھ رہ!	104
تجلی اسم اللہ	105
محاسبۂ نفس	106
اپنا اور دوسروں کا محاسبہ	107
فائدہ دنیا، فائدۂ دین	107
دُنیا کیا ہے؟	107
صلح کل	107
نفس کیا ہے؟ طمع	108
سنت کے خلاف مت چلو	109
نظر رحمتِ خدا	110
...فقر	111

Marfat.com

دیباچہ

اس کتاب کے منصف جناب سید احمد ہمدانی کو عرصہ تقریباً ۱۶ سال سے جاننے کا شرف حاصل ہے۔ اس وقت میرے ہاتھ میں کتاب ہے۔ کونیہ میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی درگاہ میں بیٹھا ہوا اس پیش لفظ کو آخری شکل دے رہا ہوں۔ یہ کیسے ہوا؟ اس کی بھی ایک کہانی ہے جو کتاب اور مصنف کے احساسات سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمدانی صاحب سے ایسے کہ وہ مولانا رومیؒ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اس عقیدت کی غمازی کتاب کے سرورق سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں ایک مصور نے مولانا جلال الدین رومیؒ کو محوِ صحبت دکھایا ہے۔

قصہ اس پیش لفظ کا اور کونیہ کا تو صرف بزرگ اولیاء کے تصرفات اور ان کی عنایات کا مرہون منت ہے۔ میں نے جس روز ترکی آنا تھا، ایک شام پہلے ہمدانی صاحب کا فون آیا کہ اس کتاب کے نئے ایڈیشن کی اشاعت ہو رہی ہے۔ ہمدانی صاحب کو میرے پروگرام کا قطعاً علم نہ تھا۔ وہ نوشہرہ (ضلع خوشاب) میں تھے اور میں اسلام آباد سے لاہور کی طرف راستے میں تھا۔ انہوں نے بے ساختہ "واہ" کہا اور مجھے فون کرنے کی وجہ بتائی۔ انہوں نے پھر اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کتاب کا پیش لفظ لکھوں۔ یہ تو ان کی نذر ہے اور شفقت کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا لیکن پھر ان کا یہ کہنا کہ میں پیش لفظ مولانا کی درگاہ میں بیٹھ کر ختم کروں، ان کی عقیدت کا بھرپور اظہار بھی تھا جو ان کے دل میں مولانا کے لیے ہے۔ جوں ہی میں ترکی پہنچا، میں نے لکھنا شروع کیا اور اب مولانا کی درگاہ پر حاضری کے فوراً بعد مکمل کرنے کی کوشش میں ہوں۔

اب کچھ لوگ بلکہ بیشتر لوگ ان واقعات کو اتفاق پر موقوف کریں گے کہ مجھے ہمدانی صاحب کا فون میری پرواز سے چند گھنٹے پہلے آیا، بعد میں یہی کتاب کی کاپی اُسی وقت پتہ نہیں،

Marfat.com

کہاں سے اور کیسے پہنچادی گئی، سرِورق پر مولانا کی شبیہہ تھی اور میں فوری طور ترکی اور کونیہ کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔

میں ان تمام واقعات کو حادثاتی یا اتفاقیہ نہیں کہوں گا۔ بہت لوگوں کی فکر کچھ یوں ہے کہ جس واقع کی دلیل انسانی عقل و منطق کی محدود دسترس میں نہ ہو وہ اتفاق سمجھی جاتی ہے۔

ہمدانی صاحب نے نہایت آسان طریقہ سے ان تمام ''تازہ واردانِ بساط جہان خضر'' کے لیے اپنے خطوط اور اپنی ہدایات جو انھوں نے بی بی نائلہ اکرام کے لیے لکھیں، یک جا کردی ہیں۔ ان ''تازہ واردان'' کو ان اوراق میں درج تجربات اور سوالات و مشاہدات سے اس راستے کا مسافر بنانا مقصود ہے جہاں ان کے لیے عقل و منطق کی جکڑ سے آزاد ہو کر اس حقیقت سے آشنا ہونا ہے جو منطق کی قید سے آزاد اور عقل کی حدود سے ماورا ہے۔ اس بنا پر جہاں یہ سوچنا ممکن ہو جاتا ہے۔ کہ ایک بڑی قوت ہمہ وقت کارِ جہاں میں کارفرما ہے جو دنیاوی قوتوں سے قوی ہے اور پھر یہ بھی فکر ممکن ہو جاتی ہے کہ اتفاقات شاید اتفاقات نہیں بلکہ ایک قدرت اور سکیم کا حصہ ہیں۔ اور روح کی ارتقاء میں معاون ہیں۔

یہ کتاب ایک اور حوالہ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔ بسا اوقات ایک ''تازہ وارد'' ذہنی خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے اور درونِ سینہ توڑ پھوڑ کی شدت اور متصادم خیالات میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسے وسوسے اور واہمے گھیر لیتے ہیں یا اسے زندگی بے مقصد معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایسے موقعوں پر یہ احساس کہ اس سے پہلے بہت سوں کا تجربہ اور مشاہدہ ایسا ہی رہا ہے، اسے ذہنی سکون دیتا ہے اور ایک سنگِ میل کی طرح یہ نشان دہی بھی کرتا ہے کہ یہ راہ حقیقت کی ہے اور وہ نہ تو اکیلا ہے اور نہ گمراہ۔ اور یہ بھی کہ وہ ذہنی توازن نہیں کھو رہا۔ لہٰذا اوروں کے ذکر سوالات اور مشاہدات اس کے لیے سکون کا باعث ہو سکتے ہیں۔

بہت سے نوجوانان حقیقت کی جستجو میں ہیں۔ یہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ مجھے جب ان میں سے کوئی بھی کچھ پوچھتا ہے اور اگر اس کی تلاش نوخیز ہے تو میں اسے بطور نسخۂ کیمیا

Marfat.com

یہ کتاب تجویز کر دیتا ہوں۔ ہمدانی صاحب کمال شفقت و مہربانی سے اس کتاب کی کاپی بلا معاوضہ ان ''تازہ واردان'' کو بھجوا دیتے ہیں۔ بہتوں نے اس نسخے کو راستے کی مشکلات اور ذہنی تذبذب کے لیے اکسیر پایا اللہ ہمدانی صاحب کو ہمت، استقامت اور توفیق دے کر رکھے۔

مولانا کی درگاہ میں داخل ہوتے ہی ایک شعر دروازے پر لکھا نظر آتا ہے۔

کعبة العشاق باشد ایں مقام

ہر کہ ناقص آمد اینجاشُد تمام

اب میں اس پیش لفظ کے اختتامی الفاظ لکھ رہا ہوں۔ ایک خوبصورت باغ ہے اور ایک سایہ دار درخت کی چھاؤں ہے۔ سامنے مولانا کی درگاہ کا منفرد شکل کا فیروزی (fluted) گنبد ہے۔ ابھی میں یہ لکھ رہا تھا کہ کونیہ شریف کے سربراہ (mayor) اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ آئے اور ایک مختصر لیکن پُرعقیدت تقریب ہوئی جس میں وہ دعا میں شریک ہوئے اور اظہار عقیدت کیا۔ میرے ساتھ میری اہلیہ تھیں اور دو ترکی نوجوان احمد فاروق اور فہیم بھی۔ انہوں نے کہا کہ اس تقریب تلاوت اور دعا میں ہماری شرکت حسین اتفاق ہے۔ میں نے ان سے وہی بات کہی جو اس تقریب سے پہلے اور لکھ چکا ہوں۔ یہ اتفاقات نہیں بلکہ اِن اولیاء اللہ کے تصرفات ہیں۔ یہ نوجوان بھی ہماری خدمت پر مامور رہے یہ دونوں ہماری خاطر مدارات میں ہی مصروف رہے۔ اس طرح عقیدت سے بھرپور تقریب حضوری بھی مولانا کے تصرفات سے عین اس وقت رونما ہوئی جب ہم درگاہ میں موجود تھے۔ پھر یہ حسن قدرت دیکھیے، مولانا کی درگاہ کے وسیع احاطہ میں ایک وقف کا بھی مرکز ہے۔ راغب بے جنھیں خانم جمال نور سار غورت نے کونیہ میں ہماری دیکھ بھال ذمہ سونپا ہوا تھا، آن پہنچے اور ہمیں اطلاع دی کہ جناب حسام الدین چلبی کی ۲۲ویں پشت میں سے احمد صلاح الدین چلبی وقف کے دفتر میں تشریف لائے ہیں۔ راغب ہمیں اُن کے پاس لے گئے۔ اُنھوں نے بہت محبت کے ساتھ باتیں کیں اور ہم سے مخاطب ہوئے۔ گو کہ وہ ترکی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، کچھ کچھ باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔ باقی راغب بتا

Marfat.com

دیتے۔اب اتنے زیادہ اتفاقات اور وہ بھی دو چار گھنٹوں میں جب ہم وہاں موجود تھے انہیں محض اتفاق کہہ دینا میری نظر میں قدرت اور مشیت سے انحراف کے مترادف ہوگا۔

ہمدانی صاحب کی کتاب اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ نوجوانان سے مخاطب ہے اور ان میں زندگی کے ابھرتے ہوئے سوالات اور آزمائشوں اور تلخیوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ جب اس کتاب کو پڑھنے والے یہ جان جاتے ہیں۔چاہے ایک لمحے کے لیے سہی کہ اِن آزمائشوں کا حقیقت میں مقصد بھی ہے اور حقیقت نے ہی کسی ''پیر استاد'' کا ان کے لیے انتخاب کیا ہے تو ان پر بہت کچھ عیاں ہونے لگتا ہے جو اوروں پر وا نہیں اور جو خود اِن ''تازہ واردان'' کے لیے اوائیل میں ایک مسحور کن کیفیت پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حافظ نے فرمایا:

ع ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شربِ مدام ما

''و لے افتاد مشکلہا'' والا مقام تو بعد میں آتا ہے جب ''تازہ وارد'' گرفتارِ زلف یار ہو جاتا ہے۔ جو تازہ واردان اس کتاب کے مخاطب ہیں وہ اپنے آپ کو خوش قسمت جانیں کہ انہیں ہمدانی صاحب کی شفیق صورت میں ایک راہبر میسر آ گیا ہے۔

اُس پر طرہ یہ کہ راغب نے بتایا کہ آج ایک بہت خاص سماع کا بھی اہتمام ہے جو سال میں ایک مرتبہ ہی منعقدہ ہوتی ہے۔ تقریب میں سلسلے کے درویش حضرت مولانا روم کی کونیہ میں آمد کا جشن مناتے ہیں اور رات سات آٹھ بجے سے لے کر گیارہ بجے تک سماع کی محفل رچاتے ہیں۔ راغب ہمیں، احمد اور فہیم کو محفل میں لے جائیں گے۔کیا اس کو بھی حسنِ اتفاق ہی گردانا جائے۔

حال کونیہ۔درگاہِ مولانا رومؒ جسٹس جواد۔ایس۔خواجہ

سپریم کورٹ۔اسلام آباد

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

اِن اوراق کو طباعت واشاعت کے لئے دیتے ہوئے مناسب سمجھا گیا کہ وجہِ تحریر کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ چند سال پہلے جب میں اردو ادب میں ایم اے کر رہی تھی تو میں جناب سید احمد سعید ہمدانی صاحب سے پڑھتی رہی۔ اس لئے وہ میرے اُستاد بھی ہیں اور پھر پیر بھی ہوئے (گو وہ کہتے ہیں کہ میں پیری مریدی نہیں کرتا) اس لئے میں انہیں پیر اُستاد کہہ دیتی ہوں۔

میرے پیر وہ یوں ہوئے کہ شاعری میں علامہ اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد قلبی تحریک کی بنیاد پر جب میں نے اُن سے فقر و تصوف کے بارے میں کچھ سیکھنا چاہا تو وہ قیل و قال کے ساتھ ساتھ (کہ وہ بھی ابتداء میں ضروری ہوتی ہے) میرے حسبِ حال ہدایات و تعلیمات پر مشتمل یہ نوشتے بھی قلمبند کر کے میرے حوالے کرتے رہے۔

بعد ازاں ان کی صاحبزادی اور میری دوست فرخندہ جواد ہمدانی میرے ساتھ شامل ہو گئیں اور کسی حد تک میری ایک کزن بھی کہ اُن کا نام بھی فرخندہ ہے، ہم ان نوشتوں سے مستفیض ہوئیں............

یہ بتا دینا ضروری ہے کہ صرف ان نوٹس کے مطالعہ پر ہی ہمارا انحصار نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ ایک پیر استاد کی توجہ بھی شامل حال رہتی تھی جس کے بغیر تصوف میں آدمی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا۔ اس طریق سے فیض یابی کے بعد ''شکریہ'' ایک بہت ہی چھوٹا لفظ ہے کیونکہ طریق پر چلتے ہوئے شکریہ کا یہ جذبہ لحہ بہ لحہ ہر روحانی مشاہدے اور تجربے کے بعد بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اگر چہ یہ شذرات ابتدائی طور پر ہمارے لئے ہی لکھے گئے مگر درحقیقت یہ ان تمام مبتدیوں کے لئے عام ہیں جو حلقۂ تصوف میں نو وارد ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے، لکھنے والے

Marfat.com

کے ذہن میں بھی یہ مقصد موجود تھا کہ مخصوص طالبوں کے لئے لکھے گئے یہ نوشتے شائد کبھی شائع ہوں تو عام لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوں۔

حقیقتِ حال کی اس شرح کے بعد آپ یہ تحریریں پڑھیں گے تو اسلوب کے بارے میں یہ بات سمجھ آجائے گی کہ مضامین کے ضمن میں تفصیل واختصار کے توازن کی کوئی ترتیب ملحوظ کیوں نہیں رکھی گئی اور صوفیاء کا مخصوص اسلوب (Scatter method) یہاں کیوں درآیا ہے۔

آپ دیکھیں گے، کہیں کہیں باتوں میں تکرار کا احساس ہوتا ہے مگر جس صورتِ حال میں یہ صفحات لکھے گئے، ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ مگر رواں پڑھتے ہوئے یہ دُہرائی ہوئی بات کھٹکتی نہیں ہے۔ ہر بار کسی نئے حوالے سے متذکرہ باتوں کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ تحریریں اوّلیں مخاطب طالب یا طالبین کی کیفیات کے پیشِ نظر رقم کی جارہی تھیں مثلاً یہی دیکھئے کہ میرے لئے سویرے اُٹھنا مشکل ہو رہا تھا تو سحر خیزی پر ایک نوٹ لکھ دیا گیا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ پیر اُستاد کی نظر میں عملی سلوک کے دوران یہ اہم ہدایت سب کے لئے عام ہے۔

چنانچہ اِن حالات میں کتاب کے سلسلہ مضامین میں ظاہری طور پر وہ ترتیب پیدا نہ ہوسکی جس کے لوگ عادی ہیں گو صوفیاء کرام کی کتب یا صحفِ مقدسہ میں دیکھا گیا ہے کہ اس بے ترتیبی میں بھی ایک باطنی ترتیب ضرور اپنا اثر دکھاتی رہتی ہے۔

اس رسالے کو یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک پیر اُستاد کے نوشتوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً نیز اِرتجالاً عملی سلوک فقر میں رہبری کے لئے لکھے گئے ...... آخر میں حضرت سلطانُ العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'عین الفقر' کے ارشادات سے استفادہ کیا گیا ہے جن سے تعلیم و تلقین کے سلسلے میں طالبِ حق کو فقیری اور درویشی کی باتوں کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

بہرصورت اب صاحبِ تحریر کی اجازت سے یہ اوراق برائے مطالعہ حاضر ہیں۔ عنوان وہی رکھا گیا ہے جو اُنہوں نے تمہیدی باب میں لکھا تھا۔ اس عنوان کے تحت یہ باب ایک

Marfat.com

ایسا مقدمہ بھی ہے کہ جس میں ان تمام نکات کی اشارۃً نشاندہی کردی گئی ہے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوئی ہے۔

نائلہ اکرام

نوشہرہ (وادیٔ سون)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش

اب جبکہ یہ کتاب اشاعت کے لئے پیش کر دی گئی ہے تو اس کے معیار و انداز کے بارے میں کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔ بہت سی باتیں تو عزیزہ نائلہ اکرام نے کہہ دی ہیں مگر ایک اور بات اس موقع پر بتا دینا لازم ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر ان قارئین کے لئے جو جدید دور کے تعلیم یافتہ ہیں اور مروجہ طرزِ تعلیم کے عادی ہیں۔ ان کے ساتھ حکمت و استدلال کی رُو سے کلام کیا گیا ہے۔ دینی مدارس کے فضیلت یافتہ حضرات جو ہر بات منقولات کے حوالے سے سمجھنا چاہتے ہیں گو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر وہ شائد اسے اپنے لئے زیادہ قابل قبول نہیں گردانیں گے کیونکہ ان کا طرزِ تعلیم و تفہیم جدا ہے۔

کوئی تصوف کا منکر ہو تو اور بات ہے لیکن اگر وہ تصوف کو اپنے پسندیدہ یا قابل فہم طور طریق پر سمجھنا چاہے تو اس کے لئے متقدمین کی ایسی کتب وافر طور پر موجود ہیں جو اصل یا ترجموں کی صورت میں دستیاب ہیں۔

ان شذرات میں ترغیب کا انداز ہے اور وہ بھی زیادہ تر حکمت یا نفسیات کے حوالوں کے ساتھ، یوں جدید دور کے نوجوانوں کے ساتھ مکالمہ کی سعی کی گئی ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔

سید احمد سعید ہمدانی

Marfat.com

اے تازہ واردانِ بساط!

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی مثل ایک پاکیزہ درخت کے، جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔" (سورۃ ابراہیم: آیت نمبر ۲۵)

کچھ لوگوں نے کوچۂ فقر و تصوف میں نئے آنے والوں کی نفسیات پر نظر ڈالی ہے اور سوال اُٹھایا ہے کہ وہ اس شعبۂ علم و عمل میں کیسے آجاتے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ کسی کو کوئی شدید صدمہ پہنچتا ہے یا کسی کو کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے، وہ موت کا سامنا کر کے زندگی کی طرف لوٹتا ہے یا پھر کسی جانکاہ بیماری سے اُٹھتا ہے، تب وہ اپنی حالیہ زندگی کے طور طریق پر نئے سرے سے نظر ڈالتا ہے تو اس پر حقیقت کھل جاتی ہے، وہ اپنی زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل دینا چاہتا ہے۔ اس حال میں پھر وہ کسی مردِ راہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اس سے ہدایت لے کر معاملاتِ زندگی میں عمل پیرا ہوتا ہے۔

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی برتر ہستی کی کسی جوہر قابل پہ نظر پڑ جاتی ہے تو وہ اُس کے اندر جذبۂ حق کو بیدار کر دیتا ہے۔ ایک صاحبِ حلقہ کے ملفوظات میں لکھا ہے:

"ایک روز فرمایا: ایک ولی اللہ کی ہم پر نظر پڑ گئی، اس کے نور کا ایک ذرّہ ہمارے دل پر چمکا، اس سے چاروں طرف روشنیاں پھیل گئیں۔"

Marfat.com

یہ بھی درست مگر اس وقت بہت عجیب سی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے جب کسی فرد کو ایک پیر استاد اپنی توجہ سے کھینچ کر اس حلقہ میں لے آتا ہے تو اس پر ایسا فرد ایسی کیفیت سے دو چار ہوتا ہے جو کسی یکلخت بے ہوشی سے ہوش میں آ جانے والے پہ یا نیند سے بیدار ہو کر اپنے تئیں کسی نئی خوشگوار جگہ پہ جانے والے پر گزرتی ہے، اب وہ تعجب، حیرت اور خوشی جیسی حالتوں سے گزرتا ہے اور کچھ دیر کے بعد ہی اسے یقین آتا ہے کہ میں کہاں اور کیسے ہوں؟ کچھ وہ جذباتی ہوتا ہے اور کچھ حیران اور اگر وہ سنجیدہ ہو کر غور کرے تو پھر اللہ کے فضل سے اِستقامت بھی پا لیتا ہے۔

لیکن خواہ کسی قسم کی بھی صورتِ حال ہو، جذباتی ہونے یا محض پر جوش ہونے یا محض متجسّس ہونے سے کام نہیں چلتا، یہاں مستقل مزاج طالبِ حق بننے اور ایسا بن کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ پھر فیض کا در کھلتا ہے اور طالبِ حق کو ان طور طریقوں سے آشنا کیا جاتا ہے جو رشد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں شِدّتِ مزاج نہیں چاہیے۔ بلکہ شِدّتِ طلب چاہیے مگر اس شِدّت میں بھی جذباتیت کا عنصر نہ ہو، صبر کا ہو۔ مولانا روم نے فرمایا:

؎ صدر ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہم چو صبر آدم ندید

''حق تعالیٰ نے ہزاروں قسم کی کیمیا پیدا کی مگر انسان نے صبر جیسی کیمیا کہیں نہ دیکھی۔''

اسی طرح عجلت اور تیزی بھی یہاں مذموم ہے۔ ایک شاعرہ نے اپنی ایک نظم میں کہا ہے:

''میں عظیم عقاب کی طرف دیکھتی ہوں، (اور پوچھتی ہوں)
کلید کیا ہے؟

اور وہ درمندی کے ساتھ جواب دیتا ہے:

Marfat.com

دھیما پن

اور میں بھورے عقاب سے پوچھتی ہوں، ہم کیسے سیکھ سکتے ہیں؟

وہ جواب دیتا ہے:

دھیمے پن کے ساتھ، صرف دھیمے پن کے ساتھ۔"

(روزمیری آلیتا) The Eagle and the Rose

علاماتِ طلب:

کسی کی نظر سے یا کسی ذاتی سبب کے بناء پر جذبۂ حق بیدار ہوتا ہے تو طلب کی ابتداء ہوتی ہے مگر اس جذبے کو قوت دینے کے لیے تیاری کرنا پڑتی ہے۔ مطالعۂ کتبِ تصوف، فقیروں اور درویشوں کی باتیں سننا، مقدس مقامات کی زیارت، نیکوکاری کے ماحول میں رہنا وغیرہ، وہ چند اُمور ہیں جن کی پاسداری کرنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ طلب کی علامات غلط اور عارضی بھی ہوسکتی ہیں، ایسے موقع پر طالب کو یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑا ہے؟ یا کہاں کھڑی ہے؟ جب تک طالب کو یہ محسوس نہ ہو کہ وہ جو کچھ کرنے کے لئے آیا ہے؟ جہاں جہاں سے ہو کر آیا ہے، بس اسی مقام کو پانے کے لئے یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے۔ تب تک بات صحیح نہ ہوگی۔ اگر اس کے اندر یہ پکار اٹھ رہی ہے:

ے تیری ہی طرف کو راہ نکلی
بھولے بھٹکے جدھر گئے ہم

تو پھر وہ سمجھ لے کہ اس کی طلب درست ہے۔

پیر استاد:

اب طالب کو چاہیے کہ وہ کسی پیر استاد کو ڈھونڈے...... اس کے لئے کوئی مقرر ضابطہ نہیں ہے، کچھ لوگ انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آکر ان کا ہاتھ پکڑے۔ کچھ لوگوں کو مرشد خود

Marfat.com

ڈھونڈ لیتا ہے اور بعض کو جنہیں اس قابل سمجھتا ہے کہ سیکھ سکتے ہیں، نظر سے کھینچ لیتا ہے، اور پھر بقول کسے، ان کے دل میں بیٹھ جاتا ہے یا انہیں اپنے دل میں بٹھا لیتا ہے اور کبھی بھی نہیں چھوڑتا:

''عارفِ کامل قادری بہ ہر قدرتے قادر و بہر مقام حاضر'' (حضرت سلطان باہوؒ)

ایک نقشبندی ولیؒ نے کہا کہ میں جس جس مقام سے گزرا، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ میرے ساتھ تھے۔

اندیشہ ہائے دور و دراز:

ایک بار اگر طالبِ حق (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اپنا مقصد طے کر لے تو پھر اسے وساوس سے بچنا چاہئے۔ یہ وساوس اس کے معلم (پیر استاد) اس کی تعلیمات (یا اس کے نتائج) یا منزل (مقصد کی یافت) کے بارے میں بھی ہو سکتے ہیں اور خود اپنے نفع نقصان کے بارے میں بھی۔

فی الحال میں صرف نفع نقصان کے متعلق اشارۃً کہنا چاہتا ہوں کہ طالبِ حق کو جان لینا چاہئے کہ اس راہ میں نفع ہی نفع ہے، خود اس کے اپنے لئے تو ہے ہی بلکہ، ان تمام لوگوں کے لئے بھی ہے، جو اس گھر میں ہیں، یا اس کے ساتھ کام کرتے ہیں یا اس کے ساتھ کسی طرح بھی متعلق ہیں۔

طالبِ حق جب اس حلقہ میں آتا ہے تو اس کا وجود اس کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بابرکت ہو جاتا ہے۔ اس کی دعائیں اس کے متعلقین کے بارے میں شرفِ قبولیت پاتی ہیں اور اس کے اردگرد کی فضا اس کے نور سے منور ہو جاتی ہے کیونکہ وہ چلتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں بلکہ اس کے راستے میں اپنے پروں کو بچھاتے ہیں، اس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کے متعلقین کی بھی۔

نورٌ علیٰ نور ...... اب ''اگر کوئی آتا ہے تو دروازہ کھلا ہے۔ ورنہ اللہ کی ذات بے نیاز ہے!''

Marfat.com

تلقین و درسِ اہل نظر یک اشارتست
گفتم کنایتی و مکرر نمی کنم (حافظ)

''یعنی اہل نظر کی تلقین اور ان کا درس بس ایک اشارہ ہی ہوتا ہے، میں نے ایک بار کنایۃً کہہ دیا، دوبارہ نہیں کہوں گا''۔

البتہ اگر ''مکرر'' بیان ضروری ہو تو وہ بات الگ ہے!

Marfat.com

باطن کا سفر شروع

ظاہر ویسا ہی رہتا ہے یعنی اس میں صرف اس حد تک ہی تبدیلی چاہئے جتنی کہ حسب دستور دینی و اخلاقی، معاشرتی اقدار کی پاسداری کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ تو یہ سفر باطن کا ہے اور اس میں کیفیات، واردات اور احوال و مقامات میں گاہے بہ گاہے تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ نو وارد سالک کو چند بنیادی چیزیں نگاہ میں رکھنی چاہئیں۔

اب جب کہ وہ طریقت پر آچکا ہے تو چار سمتوں سے اس کے سفر میں مزاحمت ہوگی۔

دُنیا...... نفس...... شیطان...... جذبات یا طبیعت

۱۔ دنیا کی طرف سے کئی قسم کی رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں۔ مثلاً حالات یک لخت کوئی پلٹا کھا سکتے ہیں چونکہ اب جذب کے عالم میں بندہ زیادہ باخبر اور چوکس ہوتا ہے، وہ اس اچانک تبدیلی کو شدت سے محسوس کرتا ہے، بعض اوقات وہ اسے اپنی باطنی تبدیلی سے متعلق سمجھنے لگتا ہے اور ہمت ہار دیتا ہے۔ کبھی دنیا کی طرف سے ملامت کی شکل میں مزاحمت ہوتی ہے۔ کسی بھی نئی ریاضت اور عبادت کے مظاہرے میں انگشت نمائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی گھبرانا نہیں چاہئے۔

۲۔ نفس اپنی نفسیات کی گہرائیوں سے اعتراضات پیش کرتا ہے جو اس کے بے لگام آرزوں اور تمناؤں کی آزادی کے نام نہاد تحفظ کی خاطر اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اخلاقی و روحانی ضبط و انقیاد کے خلاف نفس کے اقدامات ہوتے ہیں۔ جب بندہ ڈٹ جاتا ہے تو نفس کی طرف سے روک ٹوک ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ شیطان اگر اندر سے حملہ کرے تو وہ ہماری فطری جبلتوں کی تسکین کا بہانہ کرتا

Marfat.com

ہے اور اگر باہر سے آئے تو اس کی صورتیں بے شمار ہیں۔

۴۔ سب سے زیادہ جذبات اور طبیعت کی مخالفت اس سفر میں درانداز ہوتی ہے۔ جب جذبات کی چھان بین ہونے لگتی ہے تو طبیعت اس سے گھبراہٹ محسوس کرتی ہے۔ تب پھر شریعت اور اس کے قاعدے قانون مدد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ مطابقت کرنے سے طبیعت بالآخر معین و مددگار ہو جاتی ہے۔ خودیابی اور خدایابی کی اس مہم میں ایک مہم جو کی طرح حوصلہ بلند رکھنا پڑتا ہے۔ بس ہمت عالی ہو تو سب کام ٹھیک رہتے ہیں۔

جب ایک بندۂ خدا ان تمام مزاحمتوں کے باوجود ثابت قدم رہتا ہے تو پھر اُس کے گرد تمام قوتیں اس کی مؤید و مددگار ہو جاتی ہیں یعنی پھر اس کے دل پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اس کا ماحول برکت سے مملو ہو جاتا ہے۔ اللہ اسے قوت و استقامت بخشتا ہے جس سے اسے ذکر و فکر میں استقلال نصیب ہوتا ہے۔ اگر اپنی حالت کا امتحان لینا مقصود ہو تو بندہ کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا اس کا دل اندر ہی اندر اللہ کی یاد میں ہے یا نہیں۔ باطن میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

''دست در کار و دل با یار'' کے مصداق۔ اس حال میں استقلال کے لئے چند ذرائع و وسائط معاون ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ تصورِ شیخ:

سمجھے کہ اس کا رہبر ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کے روحانی احوال مرشد کے احوال کے ساتھ مطابقت کے حامل ہیں، اس کی کیفیت مرشد کی روحانی کیفیت میں جذب ہو رہی ہے اور مرشد کی قوت و برکت اس کے اندرون میں جاگزیں ہو رہی ہے۔

۲۔ ذکر و فکر:

پیہم ان اذکار کی مداومت جو مرشد تلقین کرے۔

Marfat.com

۳۔ صحیح کتبِ تصوف کے مطالعہ کا شغل:

اس موقع پر مشکل کتابوں کا مطالعہ ممنوع ٹھہرتا ہے۔صرف وہ کتابیں پڑھی جائیں جو روحانی کیفیات کو تحریک دیں۔

۴۔ ہو سکے تو صحیح لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے:

بعض اوقات مطالعہ اس کا متبادل ہو جاتا ہے۔پھر بھی نیک لوگوں کی صحبت کا اثر ایک غیر معمولی نعمت ہے۔

ایک احتیاط ...... ہر نئی کیفیت مرشد کے علم میں لائی جائے اور ہر رکاوٹ اپنی ہمت اور مرشد کے مشورے سے دور کی جائے۔

۱۲۵۷۹۹

Marfat.com

مطلوب ومقصود

جب کبھی آدمی کوئی کام کرتا ہے بالخصوص تعلیمی وتربیتی کام، تو اس کا مطلوب ومقصود ضرور نظر میں رہنا چاہیے چونکہ فقر وتصوف بھی ایک لحاظ سے تعلیم وتربیت کا شعبہ ہے۔ اس لئے اس کی غایت بھی طالبِ حق کے پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ اس مقصد کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

خدا آگہی ...... خدا یابی ...... حکمت و معرفت ...... ارتقائے خودی ...... روح سازی...... روحانیت ...... شخصیت کی تکمیل ...... سیرت کی تکمیل ...... تکمیل ذات ......فقیری و درویشی......قربِ خداوندی......تقربِ الٰہی ......اعلیٰ اسلوبِ حیات وغیرہ۔

بغور جائزہ لیا جائے تو دراصل یہ سب اصطلاحات ایک ہی مقصد کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جسے دینی اصطلاح میں قربِ خداوندی کہا گیا ہے۔ اِسی بناپر صوفیاء کرامؒ نے تقربِ الٰہی کو آخری درجہ قرار دیا ہے اور جسے یہ درجہ حاصل ہے، اسے مقرب کہا ہے۔

تمام ریاضات وعبادات، اذکار واوراد اور احوال ومواجید کا مقصد ایک ہے: تقربِ خداوندی

اس مقصد کو پانے کے لئے سرِ فہرست تو مرشد کی ہدایات ہیں چونکہ وہ اِن راستوں سے گزرا ہے اس لئے وہ ہر حال اور ہر مقام سے آشنا ہے۔ وہ اہم اور غیر اہم کا فرق جانتا ہے۔ وہ سفر میں نشاندہی کرتا چلا جاتا ہے۔

مقصد برآری کے لئے یا منزل کی یافت یا کردار وسیرت کی تکمیل وتعمیر کے لئے اعلیٰ اقدار کی پاسداری بہت ضروری ہے۔ اقدار کی پاسداری بندے کے اسلوبِ حیات کا جزو بن

Marfat.com

جانی چاہیے۔

Marfat.com

بعض اہم اقدار

توکل:

پورے عزم کے ساتھ آدمی راستے پر ہولے اور یقین رکھے کہ ایک دن وہ اپنے مقصد کو پالے گا۔

تسلیم ورضا:

اگر بندہ یہ طے کرلے کہ جیسی بھی صورتِ حال ہو، وہ ہر قسم کا چیلنج قبول کرسکتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کی رضا سے ہوتا ہے اور وہی اس سے عہدہ برآ ہونے کی ہمت عطا کرتا ہے تو بندہ ہر حال میں صابر وشاکر رہتا ہے اور اس کا رویہ اس مقولے کے مطابق ہو جاتا ہے کہ:

''ہر چہ از دوست آید، خوش است'' (جو کچھ دوست کی طرف سے آئے، اچھا ہے)

اِستغنا:

جو کچھ ہے، اس کے لئے اللہ کے ہاں شکر گزاری۔

غیر ضروری اشیاء کے حصول کی خواہش کا ترک۔

حرص وہوسِ مال سے مکمل اجتناب۔

بڑا بننے اور بڑھ چڑھ کر مقابلے سے گریز۔

یہ اور اس سے ملتے جلتے کئی اُمورِ استغنا کے ہی کئی پہلو ہیں۔ فقیری اور درویشی کی یہ بنیاد ہے۔ اسی لئے تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا: ؎

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں، زِرہ کوئی محفوظ رکھتی ہے، تو اِستغنا!

Marfat.com

عام معاشرتی رویوں کی پاسداری:

الف: چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم

ب: غذا، لباس اور رہن سہن میں کسی قسم کے امتیاز سے اجتناب۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے دوسرے رہتے ہیں، طالب یا فقیر اور درویش بھی ویسے ہی رہتا ہے اور کسی کو یہ بآسانی معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ آدمی دوسروں سے الگ کوئی وضع قطع رکھتا ہے۔ اندر سے وہ بے شک ان سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے مگر ظاہر میں انہی جیسا ہوتا ہے۔

ایک نہایت اہم ہدایت:

سوائے اس سالک یا طالبِ حق یا مرید کے، جس کی تربیت کسی خانقاہ میں کی جارہی ہو اور اسکے سارے اوقات اس کے لئے وقف ہوں، کسی زیرِ تربیت بندے کو اپنے فرائض منصبی سے کوتاہی نہیں برتنا چاہیے بلکہ ہر کام کو روحانی سطح پر سرانجام دینا چاہیے۔ اب یہ ضروری ہوگا کہ وہ بیک وقت مختلف انداز میں کام کرتا نظر آئے۔ کہیں وہ افسر ہوگا، کہیں ماتحت، کہیں وہ باپ ہوگا، کہیں بیٹا، کہیں وہ شوہر ہوگا اور کہیں داماد وغیرہ۔ عورت ہونے کی صورت میں بھی اسکے اپنے دائرہ کار کے اندر اسی طرح اس کی اپنی حیثیات ہوں گی اور بندے کو ہر حیثیت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا۔

Marfat.com

احساسِ دینداری

ایک بندہ جب حلقۂ تصوف میں آتا ہے تو وہ یقیناً گہرا احساسِ دینداری رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ دینی فکر کے حوالہ سے اپنے مطلوب و مقصود کے تعین کے لئے ایک گونہ اطمینان چاہتا ہے یعنی وہ جاننے کا خواہاں ہوتا ہے کہ آیا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بھی اس طرح کی تعلیم و تربیت کا کہیں حکم دیا ہے جو حلقۂ تصوف میں ایک مرشد کی زیرِ نگرانی خانقاہوں میں یا کہیں بھی کسی جگہ پر دی جاتی ہے۔

مناسب تو یہی ہے کہ اس طرح کے اطمینان کے لئے متقدمین کی کتب کا مطالعہ کیا جائے لیکن یہاں بھی برائے ملاحظہ چند حوالوں پر غور کیا جا سکتا ہے۔

ایک مشہور حدیثِ جبریل ہے: اس کی روایت حضرت عمر بن خطابؓ نے یوں کی ہے: ''ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت زیادہ سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی اس نو وارد کو پہچانتا نہ تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو زانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) مجھے بتلائیے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے، تم شہادت ادا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج ادا کرو۔ اس نو وارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا...... ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور خود تصدیق

Marfat.com

وتصویب بھی کرتا جاتا ہے۔اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا: اب مجھے بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں اور یومِ آخر یعنی روزِ قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر وشر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو۔ اس نے کہا، آپ نے سچ کہا، اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا: مجھے بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے ہو تو پس وہ تم کو دیکھتا ہے۔''

اس کے بعد اس شخص نے قیامت اور اس کی علامات کے بارے میں پوچھا اور حضور ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: یہ باتیں کر کے وہ شخص چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ وہ اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں۔''

اس حدیث کی رُو سے کہ ہر مسلمان، خواہ وہ حلقۂ تصوف کے اندر ہو یا باہر، بندگی اس طرح کرے گا جیسے حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو مانے گا اور اسلام کے پانچ ارکان کا پابند ہوگا۔ اس سے عقائد کا بھی پتہ چلا کہ وہ اللہ کی ہدایت اور اس تقدیر کو مانے گا۔ آخری درجہ حسن عمل کا ہے، جسے احسان کہا گیا ہے۔ احسان کے لغوی معنوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ہر عمل کو خوبصورتی سے ادا کیا جائے۔ مثلاً نماز کا حسن خشوع وخضوع میں ہے۔ روزے کی خوبصورتی خیال وفکر کی صفائی وضبط میں ہے۔ زکوٰۃ کی خوبصورتی کھلے دل سے غریبوں کی مالی امداد میں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایمان کی شرائط کا حسن یہ ہے کہ گویا اس کے دل میں اللہ ہی اللہ ہے اور وہ خود اس کے نظامِ ربوبیت کو تسلیم ورضا کے ساتھ مانتا ہے۔ احسان دراصل حضوری کا درجہ ہے۔ آدمی جو عمل کرے۔ یوں سمجھے کہ وہ اللہ کے حضور میں ہے۔ اس کا منظورِ نظر ہے۔

Marfat.com

قرآن میں فرمایا گیا: قد افلح من تزکھا.

چنانچہ تزکیہ کامیابی کا ضامن ہے۔

دل کا تزکیہ نہیں ہوسکتا اور بندہ اطاعت نہیں کرسکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان محبت کا تعلق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ایمان والے ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں۔ (سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کا محبوب ہوگا۔ (سورۃ مائدہ: آیت نمبر ۵۴)

یہی محبت آدمی کو اللہ سے ملا دیتی ہے، جسے وصال کہا جاتا ہے۔ بلکہ ایک عالم دین نے فرمایا کہ اگر لفظ ''وصال'' کی بجائے لفظ ''معراج'' استعمال کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ حضورﷺ کی متابعت میں ہر مؤمن اپنی استطاعت واستعداد کے مطابق اپنی معراج تک پہنچتا ہے۔ روحانیت میں یہی اس کا مقام ہوتا ہے۔ جہاں تک تربیت کا تعلق ہے تو اب اس کے لئے ذکر کثیر اور صحبت ضروری ہے۔ صحبت بھی خصوصاً کسی ایسے شخص کی جو ایک معلم و مربی ہو اور دلوں کا معالج ہو۔

ہر صوفی کو یقین رکھنا چاہئے کہ اب وہ کسی سابقہ سرّی مسلک کے ذریعہ روحانیت کی رفعتوں کو نہیں پاسکتا۔ تمام انبیاء کے شرعی و باطنی مسالک اپنے ادوار میں اپنا کام دکھا چکے۔ اب یہ محمدﷺ کا دورِ آخر اور دورِ تکمیل ہے۔ اب اسلام کے روحانی مسلک (تصوف) میں ہی بندہ اپنی معراج پاسکتا ہے۔ اب اخلاق وہی ہے جس کی اقدار اسلام متعین کرتا ہے اور روحانی احوال و مقامات وہی ہیں جن کی شریعت تائید کرتی ہے اور درجۂ تکمیل بھی وہی ہے جسے احسان کہا گیا ہے۔

آخر میں ایک حکم قرآنی ''اور چل اس کی راہ میں جو رجوع لایا میری طرف''

مطلب:

Marfat.com

''اور چل''......اتباع،سلوک،روحانی سفر۔

''اس کی راہ پر''......مرشد کی ہدایت پر۔

''رجوع''......انابت، جھکاؤ۔

''میری طرف''......ذاتِ خداوندی یعنی مرشد کی ہدایت پر چل کر اللہ کی قربت حاصل کرو!

Marfat.com

ما باوجودِ سنگِ ملامت سلامتیم

"ہم سنگِ ملامت کے باوجود سلامت ہیں"

راہِ حق کے مسافر کو دریائے ملامت سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ صوفیا نے اپنی کتب میں اس کی افادیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ بعض اوقات سالکین جان بوجھ کر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ لوگ ان کو کوئی بڑا پرہیز گار یا ولی نہ سمجھ لیں اور ان کے باطن پر ان کی نظر نہ پڑے۔ کبھی وہ لوگوں کے ازدہام سے بچنے کے لئے ایسی حرکت کر گزرتے ہیں، جو لوگوں کی نظر میں بری ہوتی ہے مگر فی نفسہٖ بری نہیں ہوتی اور بعض اوقات جاہل لوگ صوفیوں پر بدظنی کرتے ہیں، ان کے دوسروں کے ساتھ روحانی تعلق کو بھی شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نیکوکار لوگوں کی خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور سچی بات کرنے سے نہیں جھجکتے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

یعنی اب یہ الگ بات ہے کہ سچی بات کہنے کا بھی موقع ہوتا ہے اور سچی بات کا موقع و محل مناسب ہو تو درست ورنہ خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے یا معرفت و مشاہدہ کی یافت کے ذرائع کام میں لاتا ہے تو اردگرد کے ناسمجھ لوگ ملامت کرتے ہیں۔ پھر اندر سے بھی ملامت شروع ہوتی ہے۔ غلط کام کرنے پر انسان کا نفس لوامہ اُسے ملامت کرتا ہے۔ غرضیکہ ملامت باہر

Marfat.com

سے ہو یا اندر سے خواہ کسی قسم کی ہو، اس کی افادیت مسلّم ہے اور اس کے نتائج مثبت ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ملامت بعض اوقات انکشافِ حال و مقام میں بھی مددگار ہوتی ہے۔ ایک موقع پر کوئی روحانی رکاوٹ انہیں پیش آئی۔ بہت جگہوں پہ گئے مگر دور نہ ہوئی۔ آخر ایک سفر میں کچھ جاہل درویشوں نے ان کا مذاق اڑایا اور فرماتے ہیں:

''جس قدر ان کی طعن مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا حتیٰ کہ ان کی طعن و طنز کے بوجھ سے مجھ پر میرا واقعہ حل ہو گیا......''

اسی طرح داتا صاحبؒ نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کی حکایت نقل کی ہیں اور انہوں نے پورا ایک باب لکھا ہے۔ جسے وہاں سے پڑھ لینا چاہیے۔ (کشف المحجوب)

دو اشعار:

ابتدائے سلوک سے بہت مدت بعد تک مجھے دو (۲) اشعار نے بہت Haunt کیا۔ ایک شعر مولانا ابوالکلام آزاد نے ''غبارِ راہ'' میں نقل کیا تھا۔ اس دور میں یہ شعر نظر سے گزرا جبکہ آدمی اخلاقیات سے زیادہ جذبات کو اہمیت دے رہا ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی جانے کیوں یہ شعر دل میں کھب گیا ہے۔ بہت گہرائی میں فطرتِ سلیم نے اسے پسند کر لیا۔

فیضی کا شعر ہے:

گویند ہمراہانِ طریقت کہ اے رفیق
آگاہ شو کہ قافلہ ناگاہ می زنند

یعنی ہمراہانِ طریقت (ساتھی، فقیر اور درویش) بتاتے ہیں کہ اے دوست! خبردار رہو کہ یہاں تو قافلہ کو اچانک لوٹ لے جاتے ہیں۔

پھر میں دیکھتا رہا کہ واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک معمولی سی بے ادبی کا معاملہ ایک پورے عمل کو بے فائدہ بنا دیتا ہے۔ کسی موقع پر ایک بزرگ کے بارے میں کچھ بے ادبی کے کلمات میرے منہ سے نکلے۔ رات کو عالمِ واقعہ میں کسی نے پھولوں سے بھری ٹوکری دکھائی اور

Marfat.com

میرے سامنے اس ٹوکری کو اُلٹ دیا۔ پھول اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ایسا ہی ہوتا ہے آدمی پھول چنتا رہتا ہے مگر ایک ذرا سی گستاخی، بے ادبی سب عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔

؎ : آگاہ شو کہ قافلہ نا گاہ می زنند

دوسرا شعر بلوچستان کے شاعر سردار گل محمد زیب مگسی کا ہے۔ ان کا مجموعہ کلام ''پنج گلدستۂ زیب'' نظر سے گزرا۔ اس میں سے ایک شعر ہمیشہ کے لئے حافظے میں مرتسم ہوگیا۔ اُس عمر میں جبکہ آتش جوان تھا اور آتش فشانی کے دور سے گزر رہا تھا، اس شعر کا یاد رہ جانا عجیب سی بات تھی۔

طفلانہ می روی و طلسمے است در طریق
مردانہ استوار قدم زن دریں صراط

یعنی تو بچوں کی طرح چلا جا رہا ہے اور اس راستے میں تو سب طلسم ہی طلسم ہے۔ اس راستے پر مردوں کی طرح مضبوط قدم جما کے رکھ۔

طلسم کہتے ہیں جادو کو کہ اسکے پیچھے کوئی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہوتی ہے۔ راز کو بھی کہتے ہیں جسے آدمی سمجھ نہیں پاتا۔ یا عالم طلسمات، اس جہان کو بھی کہتے ہیں جہاں شکلیں اور صورتیں اور نظارے بدلتے رہتے ہیں اور حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔ لا اُبالی اور غیر سنجیدہ لوگوں کے لئے یہ جہاں آخر تک ایک طلسم ہی رہتا ہے۔ ساری عمر وہ فریب میں گزار دیتے ہیں۔ یہاں رہنے کے لئے، اس جہان میں صحیح معنوں میں گزر بسر کیلئے باشعور رہ کر جینا پڑتا ہے۔ ورنہ پاؤں پھسل گیا تو بس گئے، ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔

؎ : مردانہ استوار قدم زن دریں صراط

Marfat.com

ذکراور صحبت

اگر فقیری و درویشی یا روحانی اسلوبِ حیات کے اصولوں کا جائزہ لیا جائے تو دو سادہ سے اصول نظر آتے ہیں جن پر تمام اشغال و اذکار اور افکار و معمولاتِ زندگی کا دار و مدار ہے اور وہ ہیں۔

(۱) ذکر

اور

(۲) صحبت

ذکر اور صحبت کے اپنے اپنے آداب و قواعد ہیں۔ اگر دونوں میں سے اولیت کا تعین کیا جائے تو یقیناً صحبت اور مجلس کو ہی یہ درجہ حاصل ہے کیونکہ ذکر بھی اسی صورت میں ہی فائدہ دے سکتا ہے جب مرشد کے سامنے یا اسکی غیر حاضری میں (واقعی یا تصوراتی حضوری اور مجلس میں) آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔

فقر و تصوف کے بارے میں گفتگو کے دوران یہ موضوع بار بار ابھر کر سامنے آتا ہے کہ با ادب با نصیب اور بے ادب بے نصیب۔ عام تعلیم و تدریس کے دوران بھی استاد کے ادب اور تعظیم کے بغیر آموزش بے سود و بے ثمر ثابت ہوتی ہے مگر تصوف و فقیر کی تعلیم میں ادب اور تعمیل ارشاد اس لئے اہم ترین گردانے گئے ہیں کہ یہاں وہ تعلیم دی جا رہی ہے اور اکثر وہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جو معمول کے مطابق نہیں ہوتے۔ بعض اوقات مرید بھی اندر سے مزاحمت کرتا ہے اور تعمیل میں ہچکچاتا ہے مگر کیا کیا جائے، اس تعلیم کا انداز ہی کچھ اسی طرح کا ہے۔

Marfat.com

حافظ کا ایک شعر اکثر نقل کیا جاتا ہے:

بے سجادہ رنگین کن اگر پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

حافظ شیرازی نے ایک اور شعر میں فرمایا ہے:

حافظا! علم و ادب وَرزکہ در مجلس شاہ

ہر کہ رانیست ادب، لائق صحبت نیست

یعنی اے حافظ، علم و ادب اختیار کر کیونکہ بادشاہ کی مجلس میں جس کسی کو ادب کی تمیز نہیں، وہ صحبت کے لائق نہیں ہوتا۔

بادشاہ کی مجلس میں تو پھر صرف آنکھوں اور زبان یا کسی طور کی ظاہری بے ادبی کا خیال رکھنا پڑتا ہے مگر مرشد کے حضور میں تو دل پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے کیونکہ فقیر کی نظر ظاہر اور جسم پر نہیں، دل پر ہوتی ہے۔ اس لئے مرشد کے حضور میں سینہ صاف ہو کر بیٹھنا چاہیے اور ہر بات جو پوچھی جائے، وہ سچ بیان کر دینی چاہیے۔ اگر وہاں درمیان میں کہیں ''مَیں'' آ گئی تو بس بات وہیں رک جائے گی۔ یہاں سچ تو مکمل تسلیم Complete surrender ہے، اگر مرید کو قبول ہے تو درست، ورنہ زندگی میں سیکھنے اور عمل پیرا ہونے کے دوسرے طور طریق بہت ہیں، آدمی وہاں چلا جائے جہاں اپنے لئے کوئی مناسب جگہ سمجھے:

؎ : یک حرف بس است اگر در خانہ کس است

یعنی اگر گھر میں کوئی سننے والا ہے تو اسکی آگاہی کے لئے ایک حرف بھی کافی ہے۔

سرمد کی ایک رباعی نقل کے قابل ہے:

از وہم و خیال خویش دلریش مشو

وزنیک و بد خلق بد اندیش مشو

صحبت بکسے مدار جز ساقی و جام

Marfat.com

گر یار شوی با دوسہ کس یار مشو

یعنی اپنے وہم وخیال کے باعث دل میں دکھی نہ ہو اور مخلوق کی نیکی اور بدی پر کوئی برائی مت سوچ، ساقی و جام کے سوا کسی اور سے صحبت مت رکھ! اگر تو کسی سے دوستی رکھے تو صرف دو تین اشخاص سے نہیں، سب کے ساتھ دوستی رکھ۔

Marfat.com

مرشد اور مرید کی طلب وجستجو

مولانا رومؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ صرف پیاسا ہی پانی کی تلاش میں نہیں نکلتا، پانی بھی پیاسے کی تلاش میں رہتا ہے۔ خود مولانا رومؒ کے مرشد شمس تبریزیؒ کے ساتھ یہ واقع پیش آیا تھا کہ انہوں نے دعا فرمائی۔ یا اللہ مجھے کسی ایسے بندے سے ملا دے جو اس نعمت کو جو میرے پاس ہے سنبھال سکے۔ بالآخر الہامی طور پر انہیں حکم ملا یا کچھ اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ وہ قونیہ میں مولاناؒ سے ملے اور آگے جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ تصوف کا ایک زرّیں باب ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ وہ تیس سال تک دیکھتے پھرتے رہے کہ آیا کوئی رشد وہدایت پر مامور آدمی ایسا بھی ہے جو ان کے معیار پر پورا اترے اور کام کر رہا ہو مگر جیسا وہ چاہتے تھے، ان کے سوا اس دور میں کوئی نہ تھا۔ پھر وہ کوئی ایسا طالب تلاش کرتے پھرے، جو ان کے فیض کا متحمل ہو سکے۔ انہیں کچھ لوگ ملے ضرور مگر ایسا کوئی بھی نہ تھا جیسا وہ چاہتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر طالبانِ حق کسی مردِ کامل کی جستجو میں رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا مرد ملے جو ان کے دل کے دریچوں اور دروازوں کو کھول دے، انہیں بصیرت سے نوازے اور انہیں اس راستے پر گامزن کر دے جو انہیں معرفت ومحبتِ الٰہی کی منزل تک لے جائے تو اسی طرح مرشد بھی اس تلاش میں رہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا طالبِ حق مل جائے جو اس نعمت کا اہل ہو سکے جو ان کے سینے میں ہے اور جسے مرنے سے پہلے وہ کسی ایک یا چند منتخب افراد کے سپرد کر سکیں۔ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں کہ اس نعمت کو آگے ورثہ کے طور پر دوسروں کے حوالے کرتے چلے جائیں۔ ایک نبی علیہ السلام نے بھی دعا کی تھی کہ یا اللہ! مجھے اولاد عطا فرما، تاکہ میرے آباؤ اجداد کا ورثہ (نبوت) آگے چلتا رہے۔ (اب یہ الگ بات ہے

Marfat.com

کہ ان کے سلسلے میں تو نبوت ورثہ تھا مگر ویسے نبوت و ولایت جدی یا پدری ورثہ کی چیزیں نہیں ہیں)۔

جب مرشد کسی طالبِ حق کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی نعمت کی حفاظت کا اہل ہے تو پھر وہ سب کچھ اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور ایک بار جب وہ اس کی سرپرستی میں آجاتا ہے تو پھر وہ کہیں نہیں جاتا (اگر خدانخواستہ چلا جائے تو پھر اسکے نتائج اسے بھگتنے پڑتے ہیں)۔

مولانا رومؒ نے ہی فرمایا کہ ''ایک بار جب رحمتِ حق تمہیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو پھر تمہیں کہیں جانے نہیں دیتی۔''

اب اگر مرشد اور مرید دونوں اپنی اپنی جگہ پڑھانے اور پڑھنے یا لکھانے اور سیکھنے کی استعداد رکھتے ہیں تو پھر مرید کو نمایاں تبدیلی اپنے اندر اور باہر محسوس ہونی چاہیے۔ بعض اوقات مرید خود محسوس کرتا ہے کہ اب وہ ایسا نہیں رہا جیسے پہلے تھا مگر محض کسی معمولی تبدیلی کی بناء پر اُسے ایسا احساس نہ ہو بلکہ اُس کو ایسا محسوس ہو، گویا اس کے اندر اور باہر کی دنیا بدل گئی ہے، زمین و آسمان بدل گئے ہیں، تب بات بنتی ہے۔ ورنہ اگر کوئی نفسیاتی تبدیلی آئی یا کوئی عادت بدل گئی یا کچھ اللہ اللہ کی طرف ذرا سا رجوع ہوا تو پھر جان لینا چاہیے کہ ابھی تک کام نہیں بنا، صرف شروع ہوا ہے۔ اگر مرشد کامل ہو اور مرید کی طبیعت اخاذ ہو تو تبدیلی فوراً واقع ہوتی ہے اور بندہ خود حیران ہو جاتا ہے کہ اس پر کیا جادو ہوا ہے کہ اسکے دل کی دنیا بدل گئی ہے:

سیاہ کار تھے با صفا ہو گئے ہم
تیرے عشق میں کیا سے کیا ہوگئے ہم

لیکن اس کے بعد بھی:

سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی

اوّل سفر، آخر سفر:

Marfat.com

یہ باطن کی دنیا کا سفر ہے اور جس طرح سفر میں مشکلات پیش آتی ہیں اور مسافر یا سیاح خطرات سے دو چار ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے، صرف نوعیت مختلف ہے۔ اگر مسافر واقعی فطرتاً مہم جو اور طبعاً مسافر ہے تو اس کے شوق کے سامنے کوئی دقت دقت نہیں رہتی بلکہ اس کے لئے ایک لحاظ سے دلچسپی بن جاتی ہے کیونکہ اس سے اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور ان تجربات و مشاہدات کے بعد وہ دانا تر ہو جاتا ہے۔ یہی حال باطنی سفر کا ہے!

جس طرح ظاہری سفر میں احتیاط اور سوجھ بوجھ سے کام لیا جاتا ہے، اسی طرح باطنی سفر میں بھی کچھ قرینے، سلیقے اور ادب سے کام لینا ضروری ہے بلکہ یہاں تو سوجھ بوجھ کے ساتھ قدم قدم پر نہ سہی مگر ہر پڑاؤ کے بعد ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے...... مسافر کے لئے یہ ایک نا معلوم راہ ہوتی ہے اور اس راہ کے آس پاس کئی پگڈنڈیاں اور چھوٹے چھوٹے راستے اِدھر اُدھر نکلتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات اس طرف کے مناظر بھی دلفریب دکھائی دیتے ہیں مگر کوئی رفیق یار رہنما بتاتا ہے کہ اُدھر مت دیکھو، بس سیدھے چلتے چلے جاؤ...... لہٰذا رہنما کی ہدایات پر عمل ضروری ہو جاتا ہے۔

ادب اور قرینہ و سلیقہ:

پہلا قرینہ تو یہی ہے کہ ''اوّل رفیق بعدہٗ طریق'' یعنی راستے پر چلنے سے پہلے کسی رفیق کو رہنما ضرور بنالو۔ فقیری اور درویشی میں یہ رفاقت بہت پُر معنی اور اہم ہوتی ہے۔ متقدمین صوفیا نے مرشدوں اور مریدوں دونوں کے لئے قواعد و ضوابط اور آداب و اصول لکھے ہیں۔

تکمیل ذات کے سفر یا خود سازی اور خدا آگاہی کے اس نصابِ تعلیم میں جہاں مرشد پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے (اور اگر وہ واقعی صحیح معنوں میں مرشدِ کامل ہے تو وہ اپنی ذمہ داری سے خوب آگاہ ہوتا ہے) وہاں مرید پر بھی کئی فرائض عائد ہوتے ہیں اور وہ ان فرائض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے کیونکہ اس نے خود اختیاری طور پر اس حلقے میں آنا اور اہل حلقہ کے ساتھ چلنا قبول کیا ہے۔

Marfat.com

عام صورتوں میں بھی آدابِ معلم پر زور دیا جاتا ہے مگر تصوف میں معلّم کو مرشد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے ہادی و رہبر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے آداب بھی دوسرے شعبے کے اساتذہ سے زیادہ خاص اور اہم ہیں۔

مثلاً حافظ کا شعر آپ نے پڑھا ہے:

بے سادہ رنگین کن اگر پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبودز راہ و رسمِ منزلہا

یعنی اگر پیر مغاں (مرشد) کہے کہ مصلیٰ شراب سے رنگین کر دو تو اس کی تعمیل کرو کیونکہ سالک منزلوں کے راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔ اسے خوب خبر ہوتی ہے کہ نفع کس میں اور نقصان کس میں۔ لہٰذا عوام خواہ کتنی ہی ملامت کریں، مرشد اور مرید اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔

مرشد کئی قسم کے ہوتے ہیں اور اکثر ہر ماحول یا ہر دیار کے لئے کوئی نہ کوئی موزوں مرشد ہوتا ہے اور یاد رہے کہ ہر مرشد ہر مرید کے لئے موزوں نہیں ہوتا اور ہر مرید ہر مرشد کے ہاں بار نہیں پا سکتا:

خدا وند، شمسِ دیں، آں نورِ تبریز
کہ ہر کس راچوں من چا کر نہ کرد (مولانا رومؒ)

یعنی وہ آقا جو دین کا سورج اور تبریز کا نور ہے، ہر کسی کو میری طرح اپنا چاکر نہیں بناتا۔

اگر کوئی پڑھا لکھا مرید ہے تو اس کا مرشد کسی عارف کو ہونا چاہیے: یحییٰ بن معاذؒ سے عارف کی صفت پوچھی گئی تو فرمایا: لوگوں کے اندر شامل بھی ہے مگر پھر بھی ان سے الگ تھلگ ہے۔

ابوتراب بخشیؒ سے پوچھا گیا کہ عارف کی تعریف کیا ہے تو جواب دیا: عارف وہ ہے جسے کوئی چیز مکدّر نہ کر سکے مگر اس کے ذریعے ہر چیز پاک وصاف ہو۔ پھر معرفت کی تین قسمیں

Marfat.com

بیان کی گئی ہیں: معرفتِ اقرار، معرفتِ حقیقت، معرفتِ مشاہدہ۔ معرفت مشاہدہ میں فہم، علم، لفظوں میں اسے بیان کرنا اور کلام کرنا سب شامل ہیں۔ (کتاب اللمع)

اگر کسی کو ایک عارف مرشد مل جائے جسے معرفتِ مشاہدہ حاصل ہو تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

کسی نے کیا خوب کہا تھا:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

میر تقی میرؔ نے تو یہاں تک کہہ دیا:

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

عشق کی بے قراری اور آداب...... بہت بڑا امتحان ہے!

غالبؔ کے ہمعصر ایک شاعر تھے۔ منشی محمدی متخلص بہ خادمؔ۔ دہلی گئے تو غالبؔ سے ملاقاتیں رہیں...... اور راہ و رسم محبت اور اخلاص اس حد تک بڑھا کہ جب منشی محمدی خادمؔ کو مرزا غالبؔ دُور سے آتے ہوئے دیکھتے تو استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بیا بیا کہ براہِ تو چشم وا دارمَ

یعنی آؤ آؤ کہ تمہاری راہ دیکھنے کے لئے ہم نے آنکھیں کھول رکھی ہیں۔

مرزا غالب صاحب ایک مرتبہ دیوانِ خادم ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے۔ جب اس شعر پر پہنچے:

؎ بہر تعظیم، خیالش کہ چو آمدِ ادب
اشکم، ازدیدہ بروں آمدو بر خاک نشست

یعنی جب ان کا خیال آیا تو تعظیم کی خاطر میرے آنسو آنکھ سے نکلے اور ادب سے

Marfat.com

خاک پہ جا بیٹھے۔ مرزا اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور باوازِ بلند فرمایا: بارک اللہ! کیا شعر ہے اور ادب کی کیا شاعرانہ مثال پیش کی ہے! دیکھئے تو، صرف یاد ہی کیا ہے اور رو دیئے ہیں مگر رونے میں بھی جب کہ ضبط کے بند ٹوٹ جاتے ہیں، یہ ادب کہ آنسو بھی خاک پہ جا بیٹھے! ''خیال'' میں بھی کیسی قوت ہوتی ہے بلکہ خود خیال ایک قوت ہے۔

؎ : کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

ایک صوفی نے فرمایا:

قبل از آنکہ کنی بردِلم القائے مقام

از خیالِ تو شود کشف مقامِ عالی

یعنی پیشتر اس کے کہ آپ میرے دل پر کسی مقام کا القاء کریں، آپ سوچتے ہی ہیں تو مجھ پر اگلا بلند مقام کھل جاتا ہے۔ ''خیالِ تو'' سے یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ جب میں آپ کے بارے میں سوچتا ہوں/سوچتی ہوں تو مقامِ عالی منکشف ہو جاتا ہے۔ یہ سب ادب اور عقیدت کی بات ہے!

Marfat.com

مرشد کے ساتھ وابستگی

فقر و درویشی کے اسباق میں مرشد کے ساتھ وابستگی پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اکثر اس تعلق کی تفہیم کے لئے عشق اور شوق کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اگر مرشد کے ساتھ شدید لگاؤ نہ ہو تو روحانی تربیت میں آگے بڑھنے کے مواقع کم ہو جاتے ہیں یہاں چونکہ طالب یا مرید راستے کی دشواریوں اور طور وطریق سے بے خبر ہوتا ہے اس لئے با چون و چرا اسے مرشد کی ہدایات پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ یہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ مرشد کو اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھے اور اس کی وابستگی نہایت درجے کی ہو۔

مگر اس تعلق میں ایک اہم نکتے کی بات یہ ہے کہ مرشد کے ساتھ یہ تعلق نفسیاتی یا جذباتی قسم کا نہیں ہوتا۔ یہ تعلق اس سے ماورا ہے۔ اگر اس معاملے کو ذرا گہرائی سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مرشد کی ذات اس لئے اہم ہے کہ وہ فقر اور معرفت کا نمائندہ ہے اس کا تعلق نہ سائیکی سے ہے نہ کسی ارضی جذبے سے بلکہ براہِ راست روحانی سطح سے ہے۔

نفسیات (جس کا تعلق نفس سے ہے) اور روحانیت (جس کا تعلق روح سے ہے) میں بڑا فرق ہے۔ نفسیات جسمانی اور ارضی سطح سے متعلق ہے جبکہ روح کی دنیا اور ہے۔ جسمانی اور عارضی تعلق میں قرب و بعد کا فرق محسوس ہوتا ہے مگر روح کا تعلق اس سے پرے ہے۔ وہاں جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو دور اور نزدیک کا فرق مٹ جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ روحانی معاملات میں صحبت، مجلس اور زبانی ہدایات کو چھوڑ دینا چاہیے اور بس تصور ہی کافی ہے۔ ایسا نہیں ہے، یہ سب اپنی جگہ پر زمان اور مکان کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ مگر تعلق کی بنیاد روحانی رہے گی جبکہ محض جذباتی تعلق میں زمان و مکان سے

Marfat.com

ہٹ کر پہلے بیقراری پیدا ہوتی ہے اور کچھ دنوں کے ابال کے بعد بالآخر یہ تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ مرشد سے تعلق کی بنیاد روحانی تعلیم و تلقین ہے نہ کہ محض جذباتی وابستگی (اور یہاں جذباتی وابستگی سے مراد ہنگامی اور وقتی تعلق ہے) مرشد کا تعلق مرید کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے جیسا کہ حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا ہے:

باغباناں دے بوٹے وانگوں طالب نت سنبھالے ہو :

یعنی مرشد طالبوں کی حفاظت ایسے کرتا ہے جیسے ایک مالی پودوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ روحانیت کی دنیا ہے۔ اس میں حاضر اور غائب کا امتیاز بھی اُٹھ جاتا ہے۔ لہٰذا مرشد کے ساتھ جذباتی لگاؤ Emotional attachment کی بجائے روحانی لگاؤ Spiritual attachment ہونی چاہیے اور یہ رومانی جذبہ نہیں بلکہ روحانی جذبہ ہے۔

مرشد کی قوتِ قدسیہ:

مرشد مریدوں کو تکمیل ذات یا ارتقائے روحانی یا زندہ دلی اور روشن ضمیری کے راستے پر لے جانے میں جو طریقے استعمال کرتا ہے، وہ ہر ایک فرد کے لئے تھوڑے بہت مختلف ہو سکتے ہیں یا کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اسکے مشائخ کے تجویز کردہ یا طے کردہ ہوں اور سب کے لئے عام ہوں۔ بہر صورت ان میں چلے، ریاضتیں، اوراد و اذکار اور مشقتیں سب شامل ہیں۔ بسا اوقات فقط ایک توجہ بھی جو مرشد کی بہت بڑی قوت ہوتی ہے، بہت مراحل سے گزار دیتی ہے۔

بہت پہلے راقم ''عصر جدید اور مسائل تصوف'' لکھ رہا تھا تو اپنا مشاہدہ یوں بیان کیا تھا کہ ''اس دور کے مشائخ کرام خواہ وہ کسی بھی روایتی طریق کے متوسلین میں سے ہوں، عام طور پر ایک سا طریقۂ تعلیم و تلقین استعمال کر رہے ہیں۔ مثلاً صاحبِ وقت اور باہمت مشائخ سب سے پہلے توجہ کے ذریعہ طالب کے اندر جذبہ کو بیدار کر رہے ہیں۔ جذبہ کے ساتھ ادراک کا حاسۂ باطنی بھی بیدار ہو جاتا ہے۔ سالک روحانی تجربات سے مستفیض ہوتا ہے، تشکیک دُور ہونے لگتی ہے، معرفت کے لئے فہم کھل جاتا ہے اور اس دوران میں صرف وہی اذکار و اوراد تلقین

Marfat.com

کیے جاتے ہیں جو احوال و کیفیات میں استقامت کے لئے ممد و معاون ہوتے ہیں۔'' (ص ۲۷)

جب مرید کو کسی حلقے میں قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر مرشد اس کے لئے دعا کرتا ہے اور اپنی توجہ اس کی طرف مبذول کرتا ہے۔ اس کی یہ توجہ وہ عام توجہ نہیں ہوتی جو ہم کوئی کتاب پڑھتے یا کوئی درس سنتے ہوئے کام میں لاتے ہیں بلکہ یہ توجہ دل سے دل پر ہوتی ہے اور اس کا فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ طالب اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کرتا ہے جو جذبے سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے۔

جہاں طبائع اذکار و اوراد اور، دور از کار ریاضتوں سے گھبراتی ہوں، وہاں یہ توجہ عجیب اثر دکھلاتی ہے۔ اسی کے بارے میں اقبال نے کہا ہے کہ شیخ کچھ یوں کرتا ہے

؎ : روح را در تن دگر گوں می کند

یعنی روح کو جسم میں بدل کے رکھ دیتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ کے الفاظ میں ایک ہی ''توجہء فقیر کامل'' سے سب کام بن سنور جاتے ہیں۔ البتہ اُن کی نظر میں طالب اللہ کا ''لائق توجہ'' ہونا شرط ہے۔ اس توجہ سے دلوں میں انقلاب آتے ہیں۔ بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ ذہنوں اور دماغوں میں خیالات و رجحانات و میلانات القاء کیے جاتے ہیں اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ آج کل کی نفسیات بھی اس حد تک ان قوتوں کو ماننے لگی ہے کہ یہ Psychic forces یعنی برتر ذہنی قوتیں مافوق الطبع محرکات ہیں جو اولیاء اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی بعض اوقات ودیعت کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یوری گیلر Uri Geller کا حال جو ایک یہودی ہے، سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنی ذہنی قوت کے ارتکاز سے دھات کی بنی ہوئی چیزوں کو موڑ دیتا ہے یا گھڑیوں کو چلا دیتا ہے۔ اسی طرح کئی دوسرے لوگ کشف کے ذریعے دور دراز کے شہروں میں ہونے والے واقعات کو دیکھ لیتے ہیں مگر یہاں بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ ان لوگوں کی نگرانی کی جا رہی ہوتی ہے۔ غیبی آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں کہ یہ لوگ کہیں ایسے کام تو نہیں کر رہے جو قدرت کے اصولوں کے خلاف ہیں یا اپنی طاقتوں کو ناجائز کاموں کے لئے تو استعمال نہیں کر رہے۔ اگر

Marfat.com

وہ ایسا کریں تو ان سے یہ عطا کردہ قوتیں لے لی جاتی ہیں یا انہیں سخت سزا دی جاتی ہے کیونکہ بقول اس یہودی کے ''تمہاری یہ قوتیں تمہاری نہیں ہیں۔'' یعنی تمہیں اوپر سے ملی ہیں۔

مرشد کی توجہ کی قوت بھی اوپر والوں کا عطیہ ہے۔ اسی لئے اسے قوتِ قدسیہ کہا جاتا ہے۔ مرشد اسے کام میں لا کر مرید کی مدد کرتا ہے۔ بعض اوقات اس توجہ کا اثر فوری طور پر نظر نہیں آتا مگر زندگی میں کسی بھی مرحلے پر یہ اثر محسوس ہوتا ہے۔ جیسے مولانا ابوالحسن ندوی کے والد کو مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے جب توجہ دی تھی تو انہیں کچھ محسوس نہ ہوا مگر آخری عمر میں وہ بتاتے تھے کہ اب وہ اس کا اثر محسوس کر رہے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ہاں یہ صرف برتر ذہنی قوتیں نہیں رہتیں بلکہ روحانی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ چنانچہ یہ توجہ بھی زیادہ شدید اور غالب اثر کی حامل ہو جاتی ہے۔

اقبالؒ نے شاہِ ہمدانؒ کے بارے میں کہا:

یک نگاہِ او کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدِل راہے بدہ

یعنی اس کی ایک نگاہ سینکڑوں گرہیں کھول دیتی ہے۔ اٹھو اور اس کے تیر کو دل میں آنے دے! نقشبندی صوفیاء نے تو ہندوستان میں اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے توجہ کے عمل اور اس کی اہمیت پر بہت زور دیا۔ اتفاق سے یہاں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں میں بھی توجہ کی مشق کی جاتی تھی۔ صوفیاء کرام نے اس کی نفسیاتی اہمیت کو اس حد تک تسلیم کیا کہ یہ ایک طریقہ ہے جس سے قلبِ انسانی کو تحریک ہوتی ہے اور شوق اور جذبے سے مشابہ قوت طالب کو آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ حکومت کے آخری دور کے صوفیاء میں اس توجہ کے عمل کا بڑا چرچا تھا۔ حتیٰ کہ مسلمان صوفی ہندو صوفیوں سے توجہ لینے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اسے ایک عام ذہنی مشق سمجھتے تھے جو ان کے کام میں مد ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

موجودہ دور میں بھی توجہ کا عمل بہت اہم ہے۔ بعض اوقات تو صوفیاء جیسے نقشبندی مرشد کرتے ہیں، اپنے سامنے بٹھا کر اور بتا کر توجہ دیتے ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی غالب مرشد مرید کی غیر حاضری میں بھی اس کے قلب پر اپنی تصوری قوت کے ساتھ توجہ جاری رکھتا ہے۔ اس طرح جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذہنی و جذباتی تحریک باطنی سفر کے طے کرنے میں آسانی پیدا کر دیتی ہے اور یہ قوت اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ ظہیر فاریابی نے کہا۔

بخواب بودم و او سوئے من نظر افگند
صدائے پائے نگاہش مرا بگوش آمد

یعنی میں سو رہا تھا کہ اس نے مجھ پر نظر ڈالی۔ اس کی نگاہ کے پاؤں کی آواز میرے کانوں میں پہنچ گئی۔

معرفت:

اس سے پہلے معرفت کے بارے میں ایک صوفی کے قول کا ذکر ہوا مگر اشارۃً۔ تفصیل کچھ یوں ہے: معرفت کے معنیٰ ہیں علم، سوجھ بوجھ یا مہارت۔

۱۔ معرفتِ اقرار یہ ہے کہ سوجھ بوجھ اور پہچان اس قدر حاصل ہوگئی کہ عارف احوال و مقامات کے اقرار کے قابل ہو گیا چونکہ وہ سب کچھ دیکھ چکا ہے اور جان چکا ہے، لہٰذا وہ کہہ سکتا ہے کہ ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسا عارف اگر صاحبِ ارشاد بن بیٹھے تو ناقص رہتا ہے گو وہ خود اپنے طور پر ایک کامل صوفی ہوتا ہے۔

۲۔ معرفتِ حقیقت یہ ہے کہ عارف اقرار سے آگے کسی بھی شئے، مسئلے یا مخلوق کے بارے میں ان کی اصل تک پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اپنے طور پر نشاندہی بھی کر سکتا ہے مگر کیا وہ کسی اور کو بھی اس اہلیت سے ہمکنار کر سکتا ہے تو عام طور پر یہ کام اس کی حد سے باہر ہوتا ہے۔

۳۔ معرفتِ مشاہدہ یہ ہے کہ عارف نہ صرف روحانیت، اس کے سلوک، تجربات و واردات اور دیگر روحانی حقائق کے علم کا اقرار کرتا ہے، ان کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ اس سے آگے

Marfat.com

جب وہ مسندِ ارشاد پر بیٹھتا ہے تو ان سب امور کو ان کے سیاق و سباق کے ساتھ بیان بھی کر سکتا ہے۔ وہ ان کے اظہار و ابلاغ پر قادر ہوتا ہے۔ تب وہ بات کرتا ہے تو منبع علم و معرفت سے بات کرتا ہے اور اس کی بات دوسروں کے دلوں کو متاثر کرتی ہے۔

حلقہ میں نو وارد طالبِ حق کے دل میں ایک خیال رہ رہ کر اُبھرتا ہے کہ مجھے کچھ کرنا چاہیے، میں کیا کروں؟ میرا عمل کیا ہونا چاہیے؟ عمل کی نوعیت اس پر منکشف نہیں ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ عمل کر رہا ہوتا ہے مگر چونکہ وہ مرشد کے ساتھ مل کر چل رہا ہوتا ہے تو اسے تکان محسوس نہیں ہوتی اور وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ وہ تھکا نہیں، اس لئے چل ہی نہیں رہا ہے۔ ایسے طالبِ حق کو ابتدائی سلوک پر نظر ڈالنی چاہیے۔ سلوک کا مقصد کیا ہے یا زندگی ہی کا مقصد کیا ہے۔ یہ سب بالآخر ایک ہی سوال کی دو صورتیں ہیں۔ قرآنِ پاک میں کہا گیا ہے کہ ہم نے جن و انس کو پیدا کیا کہ وہ بندگی کریں (لیعبدون)۔ بندگی سے کیا حاصل ہوگا؟ معرفت: اسی لئے ابن عباسؓ نے ''لیعرفون'' کہہ کر سمجھایا کہ انسانوں کو اللہ نے پیدا کیا کہ وہ معرفت پانے کی سعی کریں۔ جب ایک نو وارد طالبِ حق مرشد کے پاس پہنچتا ہے تو اب یہ مرشد پر منحصر ہے کہ اسے کیسے مقامِ معرفت تک لے جائے یعنی اسے وہاں لے جا کر کھڑا کر دے جہاں سے وہ جدھر اور جس پر نظر ڈالے، اسے سمجھ جائے اور اس کے مطابق اپنے رویے اور عمل کا فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔

معرفت دراصل خدا آگاہی اور خود آگاہی کا نام ہے۔

مرشد کی زیرِ نگرانی یا اس کی صحبت میں طالبِ حق از خود معرفت کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے۔ کم از کم وہ فطرت کے طریق اور اس کی حکمت کو سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اسے یہ بھی سمجھایا جا رہا ہوتا ہے کہ اگر وہ مرشد کے ساتھ ساتھ راہِ حق پر چل رہا ہوتا ہے تو ''در طریقت ہر چہ پیش سالک آید، خیر اوست''۔ یعنی طریقت میں جو کچھ سالک کے سامنے آئے، اُس میں اس کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔

Marfat.com

کیا عمل کرنا چاہیے؟ عمل کوئی ایسا کام نہیں کہ جس میں تلوار چلانی پڑتی ہو یا بہر صورت محنت و مشقت کے کام کرنے پڑتے ہوں یا ریاضات سے گزرنا پڑے۔ (گو بعض اوقات ایسا کرنا بھی پڑتا ہے) عمل وہی ہے جو آپ مرشد کے ساتھ روحانی طور پر رابطہ قائم رکھتے ہوئے کر رہے ہیں۔ ایسا عمل خواہ کتنا بھی معمولی کیوں نہ ہو، مقدس ہو جاتا ہے۔

اصل میں تصوف کا طریقۂ تعلیم کچھ بے ڈھب سا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا کوئی قاعدہ اور اصول نہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر فرد کے لئے ایک الگ قاعدہ قانون ہے اور وہ صرف اسی کے لئے ہے۔ کسی ایک کو دیکھ کر دوسروں کو مرشد کی اجازت کے بغیر اس کی پیروی جائز نہیں۔

بعض اوقات مرشد کہتا ہے کہ کچھ مت کرو تو طالبِ حق کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے اب کچھ نہ کرتے ہوئے سب کچھ کرنا ہے جیسے تاؤمت Taosim کا بنیادی اصول ہے۔ doing everything by doing nothing (کچھ نہ کرتے ہوئے سب کچھ کر لینا) اس کا بھی مطلب صرف یہ ہے کہ کچھ بھی کرتے ہوئے شدت tension یا intensity کی ضرورت نہیں، کام کو اس کے اپنے آہنگ اور موزونیت کے ساتھ جاری رہنے دو۔ دماغ پر بوجھ مت ڈالو اور ہمت سے زیادہ بڑھ کر کام overdoing مت کرو۔ یوں رویہ اختیار کرو گے تو تمہیں یوں محسوس ہوگا کہ تم کچھ نہیں کر رہے مگر کام ہو رہا ہے۔ اسی میں برکت ہے اور اسی میں تقدیس ہے! آدمی اگر کسی عارف مرشد کی نگرانی میں ہے تو اسے خوب جان لینا چاہیے کہ اب وہ جو کچھ کر رہا ہے (خواہ وہ بکریاں چرا رہا ہو یا ہل چلا رہا ہو) اس کا عمل ایک عام آدمی کا عمل نہیں ہے۔ عمل وہی ہوتا ہے جس کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے۔ (اور یاد رہے، حکم وہی ہوتا ہے جس میں حکمت ہوتی ہے۔ فقر و تصوف میں حکم کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا)۔ یہ خلجان کہ میں کوئی عمل نہیں کر رہا یا مجھے ضرور کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ اس لئے بھی ذہن میں آتا ہے کہ مبتدی طالبِ حق مرشد کے مقام اور اس کی قوتِ قدسیہ سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتا۔ اسے معلوم نہیں

Marfat.com

ہوتا یا بعض اوقات اسے یقین نہیں آتا کہ مرید مرشد کے پاس ہے یا اس سے کہیں دور۔ جبکہ مرشد دور بھی تو ہو مرشد کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے اور یہ توجہ اس پر عمل پیرا بھی ہو رہی ہوتی ہے اور اسے غیر محسوس طریقے پر وہ جادۂ عمل پر گامزن رکھتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے اسی لئے فرمایا کہ:

''عارفِ کامل قادری بہر قدرتے قادر و بہر مقام حاضر''

''یعنی قادری طریق کا عارف مرشد ہر قدرت پر قادر ہوتا ہے اور مرید کسی مقام پر بھی ہو، وہ اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے یعنی دستگیری کرتا ہے۔''

غرضیکہ عمل وہی ہے جس کا حکم ہو اور اسی پر مطمئن رہنا چاہیے۔

Marfat.com

عارف مرشد

اس دور میں تعلیم عام ہوئی ہے تو نو تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ ہر مرشد کو اپنے لئے موزوں نہیں پاتے۔ اس صدی کے ابتدائی نصف دور میں سب سے بڑے تعلیم یافتہ مفکر علامہ اقبالؒ تھے۔ انہوں نے اپنے لئے مرشد کی ضرورت محسوس کی مگر انہیں ایسا کوئی نہ مل سکا جو اُن کے مسائل حل کر سکتا۔ ظاہر ہے وہ کوئی ایسا مرشد چاہتے تھے جو ظاہری علم و فضل میں بھی کامل ہو اور روحانی دنیا میں بھی چوٹی کا قطبِ ارشاد ہو۔ یہی حال جدید دور کے تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے۔ ان کا مرشد وہی ہو سکتا ہے جو اُن کے ساتھ بات کر سکے اور جو کچھ وہ جانتے ہیں، اُس سے واقف ہو اور ساتھ ہی اُن کو راہِ راست پر لانے اور چلانے کا ڈھنگ بھی جانتا ہو۔ آج کے پڑھے لکھے آدمی کو اگر وہ طالبِ حق ہے تو اُسے پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان ہی کہیں اپنا مرشد تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

یاد رکھیئے، طالب اللہ پر فرضِ عین ہے کہ تلقین (درسِ فقر و تصوف) حاصل کرنے سے پہلے مرشد سے علمِ ظاہری میں تبادلہ ءِ خیال کرے اور معرفت و تصوف و منطق و معانی و زبانی قیل و قال کے دقیق و مشکل مسائل کو سمجھے۔ اس کے بعد علمِ باطنی کے مسائل توحید اور معرفت و وصال کے مسائل زیرِ بحث لائے۔ اس طرح جب مرشد طالب اللہ کو اس کے سوالوں کے جوابات سے مطمئن کر دے تو تب اسے تلقین کرے۔ طالب اس طرح عالم فاضل اور صاحبِ شعور ہو ورنہ ہزاروں جاہلوں کو مجنون و دیوانہ بنا دینا کون سا مشکل ہے؟" (نور الھدیٰ۔ ترجمہ نیازی ص ۵۹۱)

اس بیان کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آج کے پیر استاد کو روحانیت کے ساتھ

Marfat.com

ساتھ ادب، فلسفہ، عمرانیات اور کسی حد تک علم سیاست سے بھی خاصی حد تک واقفیت ہونی چاہیے ورنہ کوئی پڑھا لکھا طالبِ حق اس سے متاثر نہ ہو سکے گا۔

پرانے زمانے میں مرشد اوراد و اذکار سکھاتے تھے، کچھ ریاضتوں میں ڈال دیتے تھے یا خانقاہ میں کوئی خدمت سپرد کر دیتے تھے مگر اس دور میں وہ پرانے نصاب اور طریقے تقریباً متروک ہو چکے ہیں۔ آج کل کے پڑھے لکھے افراد کے لئے طریقۂ تعلیم و آموزش اور ہوگا۔

حیرت ہوتی ہے کہ متقدمین صوفیاء نے آج کے دور سے مختلف دور میں بھی متبادل ذرائع درس و تلقین سوچ رکھے تھے جو اس وقت بھی کارآمد تھے اور آج بھی مفید ہیں۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ کی مذکورہ بالا نصیحت کی رو سے یہ خود طالبِ حق کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے ایسا مرشد ہی قبول کرے جو اس کے مسائل کو سمجھتا ہو۔ دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ مرشد بھی اسے اپنے حلقے میں مرید ہونے کے قابل سمجھے۔ یاد رہے کہ یہاں بات جدید دور کے پڑھے لکھے طالبانِ حق کے بارے میں ہو رہی ہے جن کو ایک خاص معیار کے حامل مرشد کے پاس جانا چاہیے۔ ورنہ یوں مرشد بہت ہیں۔ عوامی مرشد بھی ہیں جن کے ہاں مریدوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔ دیہات میں دیہاتیوں کے لئے مرشد اور ہیں اور شہروں کے لئے اور۔ یہی حال دیگر معاشرتی طبقوں کے مرشدوں کا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہر طبقے کے افراد کا ذہنی و اخلاقی معیار مختلف ہے۔ اس معیار کو جان کر ہی ان کے افراد کی تربیت کی جا سکتی ہے۔

ایک بلند مرتبہ جامع مرشد یا مرشدِ کل بھی ہوتا ہے۔ ایسے مرشد آج کل بھی ہوں گے۔ اگر کہیں کوئی ایسا مرشد ہے تو پھر ہر طالبِ حق بلا جھجک اس کا مرید ہو سکتا ہے۔ بہر حال جہاں مرید کی تسلی ہو، وہاں بیٹھنے اور سیکھنے کا عزم کرے اگر نیت میں خلوص ہے تو اسے موزوں حلقے میں موزوں مرشد ضرور مل جائیگا۔

ایک سی حرفی کا ایک بند:

Marfat.com

میں کبھی کبھی ترنگ میں آ کر عجیب کام کر لیتا ہوں۔ بعد میں دیکھتا ہوں کہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ایک بار کسی بس اسٹینڈ پر ایک چھابڑی والا کچھ پنجابی رسالے بیچ رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا رسالہ ''پنج دریا'' از دائم خرید لیا اور کہیں رکھ کر بھول گیا۔ پچھلے دنوں اس کے صرف دو ورق مل گئے جو اَب لے دے کر اِدھر اُدھر ہو جانے کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ رسالہ خریدنے کے بہت بعد معلوم ہوا تھا کہ دائم ایک بہت بڑے پنجابی شاعر تھے۔

اَب دو اوراق کے سی حرفی کے باب میں یہ ایک بند درج ہے:

نظر جاں کہ لئے کوئی ولی کامل، ہتھ ڈور آئے علماں ساریاں دی
اکھیں نال پئے لیکھ دے ریکھ بدلن، کوئی لوڑ نہ بُرج ستاریاں دی
اُتے فرش دے نین قلندراں دے، کرن سیر پئے عرش مناریاں دی
شان جاندے مولوی روم دائم، شمس پیر دے پاک نظاریاں دی

یعنی جب کوئی ولی کامل ایک نگاہ ڈالے تو سب علموں کی ڈور ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ یہ اولیاء کاملین آنکھوں سے قسمت کی لکیریں بدل دیتے ہیں، یہاں برج ستاروں کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔ قلندروں کی نظریں فرش پر دیکھ رہی ہوتی ہیں لیکن دراصل وہ بہت بلندیوں پر عرش کے میناروں کی سیر کر رہے ہوتے ہیں۔ دائم، مولانا رومؒ اس شان (مرتبے) کو سمجھتے ہیں، وہ اپنے پیر شمس کے پاک نظاروں (جلووں) کو جانتے ہیں۔

گو اس بند میں تشریح طلب کوئی بات نہیں مگر پھر بھی بعض نکات پر ضرور غور کر لینا چاہیے۔

☆: ولی کامل یا مرشد کی توجہ اصل کام کرتی ہے۔ مرید کو اس قابل ضرور ہونا چاہیے کہ وہ اس توجہ کا مستحق رہے۔ اس کا استحقاق اس کی طلب کی شدت سے ظاہر ہوگا۔

☆: قلندر (پہنچے ہوئے ولی) بظاہر ارضی معاملات میں مشغول نظر آتے ہیں مگر ان کے تصورات روحانی بلندیوں کو چھو رہے ہوتے ہیں۔ دنیاوی معاملات میں شغل کے باوجود ان کے

Marfat.com

دل اللہ کے ذکر سے آباد رہتے ہیں۔ پہنچے ہوئے لوگوں کی نشانی یہی ہے اور اللہ کے ولیوں میں بڑا مرتبہ بھی ایسے ہی لوگوں کا ہے۔

☆: مرشد کے مقام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس کی نشانی یہی ہے کہ مولانا رومؒ کی نظر میں شمس تبریزی سے بڑا اور کوئی نہ تھا۔ وہ خدا تک بھی شمس کے بغیر نہ جانا چاہتے تھے:

شمس تبریزی کہ نورِ سحر است

جز بہ نورش بہ سحر می نہ روم

یعنی شمس تبریز کہ سحر کا نور ہیں۔ ہم اگر سحر کی طرف جائینگے تو اس کے نور کے بغیر نہ جا سکیں گے۔

Marfat.com

رفع شبہات......و......دفع وساوس

دل میں شبہات و وساس و خیالات کا گزرنا اگرچہ قدرتی بات ہے، لیکن سلوکِ طریق میں یہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، خاص طور پر اگر یہ جاگزیں ہونے لگیں۔

اگر یہ عام خیالات ہوں تو ان کو گزرنے دیں۔ یہ دل کی شاہراہ پر جاتے رہتے ہیں، ان کی طرف توجہ مت دیں۔ اگر یہ شبہات ہوں اور کسی فرد کے بارے میں (خواہ وہ مرشد ہو یا کوئی ساتھی درویش) ہوں تو پھر ان کے بارے میں سوچیں، تحقیق کریں اور انہیں اُنکے منطقی انجام و اختتام تک پہنچانا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان شبہات کا زہر پھیلے گا اور سب روحانی ترقی کو تباہ و برباد کر ڈالے گا۔

وساوس کسی ذہن میں خلجان پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ تحقیق ضروری ہے اور پھر جلد از جلد ان سے نجات پانی چاہیے۔ دینی ہدایات ان سب کے لئے مؤثر علاج ہیں۔ جب ثابت ہو جائے کہ شبہ غلط ہے اور گمراہ کن تو پھر اس کے اعادہ کی صورت میں استغفار پڑھیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کے معنیٰ صرف یہ نہیں ہوتے کہ اے اللہ مجھے بخش دے بلکہ غفر کے معنیٰ ڈھانپ دینے کی بھی ہیں۔ اس طرح یہ حفاظت کی دعا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، استغفار کا جو بھی کلمہ یاد ہو، وہ پڑھا جائے۔ کوئی وسوسہ سر اٹھائے یا باہر سے اس کی تحریک ہو تو پھر سورۃ الناس ایک دو بار پڑھ لینی چاہیے۔ یاد رکھیئے کہ اگر شبہات و وساوس مرشد یا پیر اُستاد یا روحانی رہبر کے بارے میں ہوں تو سخت خطرناک ہیں۔ یہ شبہات محض گمراہ کن اور بے جواز شیطانی عمل بھی ہو سکتے ہیں اور درست بھی۔ ان کی تحقیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے یہ

Marfat.com

سوچا جائے کہ آیا یہ شبہ کسی شرعی عمل سے متعلق ہے، اِخلاقی طرزِ عمل کے بارے میں ہے یا روحانی طور طریق کی ناپسندیدگی کا نتیجہ ہے؟

شریعت واخلاق وروحانیت کے بارے میں افراد کے مشاہدہ کی ذاتی ترجمانی تشریح غلط بھی ہوسکتی ہے۔اس لئے ہر زاویے اور نقطۂ نظر سے خود تحقیق کر لینی چاہیے۔مرید یہ حق رکھتا ہے کہ خود مرشد سے اُس کے بارے میں رائے کی درخواست کرے۔

اگر شبہ کا جواز موجود ہے تو پھر سالک درویش کو چاہیے کہ اپنے تئیں بیعت سے آزاد سمجھے۔مرشد کو اس کی اطلاع کر دے اور کسی اور جگہ پہ رہنمائی کے لئے چلا جائے۔مزید برآں اگر فقر وتصوف سے دل برگشتہ ہو جائے تو پھر ظاہر فقہ وشریعت کی پیروی کی طرف لوٹ جائے۔ ورنہ ولایت تو گئی، مغفرت اور جنت سے بھی جائے گا۔

خیالات و وساوس کا دفاع:

ایک دین دار درویش منفی خیالات ورجحانات کا دِفاع استغفار کے ذریعہ کرتا ہے یعنی جب کوئی منفی خیال وارد ہو تو اس کو ہٹانے کے لئے استغفار پڑھ لیا جائے۔ نیز ہمت و استقامت......

توکل......

اللہ اور اس کے رسول اور مرشد پر اعتماد......

ہمت......

ہمت......

ہمت......

Marfat.com

سیکھنا...... سوچنا...... برتنا

اُستاد ہو یا مرشد، اس کے پاس آدمی سیکھنے کے لئے جاتا ہے۔ اب سیکھنے کے بھی کچھ قرینے ہیں مثلاً سیکھنے کے لئے بھی پہلے کچھ سیکھنا پڑتا ہے کہ کیسے سیکھا جائے؟ Learning how to learn جن لوگوں نے آموزش کے طریقوں پر غور کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے تین اقدامات لازم ہیں۔

پہلا اقدام: مرشد یا استاد کی گفتگو سنیں تو توجہ سے سنیں مگر اس پر فوری طور پر غور و خوض نہ شروع کر دیں۔ اپنی تنقیدی صلاحیت کو آگے نہ آنے دیں۔ مطالعہ کا بھی یہی اُصول ہے بلکہ کہیں کوئی تماشا دیکھ رہے ہیں تو تب بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔

دوسرا اقدام: جب بات سن چکیں یا کتاب پڑھ چکیں یا ڈرامہ دیکھ چکے ہوں تو پھر الگ بیٹھ کر اس پر سوچیں۔ یا جب بھی وقت ملے اس کے حسن و قبح پر نظر ڈال لیں۔ اب اپنے علم کے مطابق اسے پرکھیں۔ اگر سمجھ نہ آئے تو اصل مصدر کی طرف رجوع کریں اور دوبارہ پڑھیں یا سنیں۔ اس سلسلہ میں کسی استاد سے وضاحت بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور مزید امدادی کتب کا مطالعہ بھی مفید ہو سکتا ہے۔ اسے آپ خوراک کے ہاضمہ کی مانند سمجھ سکتے ہیں۔ ایک صاحب نے اسے غذا کے پکنے سے بھی تشبیہ دی ہے۔

تیسرا اقدام: ان مذکورہ دو اقدامات کا نتیجہ عمل ہوگا۔ یعنی کیا ان دو اقدامات کے نتیجے میں یعنی معلومات اور سوچ کے بعد کوئی قوت ملی ہے؟ جیسے کھانا پک جانے کے بعد اسے کھاتے ہیں تو اس غذا سے طاقت ملتی ہے۔ اگر سوچ کے بعد متحرک قوت نہ ملے تو سیکھنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ عمل کے بغیر علم ایک بانجھ عورت کی

Marfat.com

مانند ہے۔

ڈنمارک کا سکالر شہزادہ (ہیملٹ۔شیکسپیئر کے ڈراما کا ہیرو) التوائے عمل یا بے عملی کا شکار ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی ہلاک ہو گیا اور تماشائیوں نے دیکھا کہ آخر میں اسٹیج پر اس کی لاش کے گرد اور بھی بہت سے لاشیں پڑی تھیں۔لہٰذا پہلے معلومات پھر غور و خوض اور علم اور شعور، اس کے بعد اس علم کا ثمر جو عام طور پر عمل کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔یعنی ارتقائے ذہنی و روحانی۔

ہماری سوچ:

روز مرہ کے کاموں میں سوچ بچار ہو یا فلسفیانہ متکلمانہ معاملات کے بارے میں غور و خوض ہو، تمام صورتوں میں ہماری سوچ بہت اہم ہے۔سوچ اس لئے بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر اس پر غیر ضروری طور پر زور دیا جائے تو نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلتا اور اگر اس میں بے احتیاطی برتی جائے تو خدشہ ہوتا ہے کہ انجام اس کا کہیں فکری انتشار پر نہ ہو مگر یہاں ہم سوچ کے نفسیاتی پہلو پر غور کرنا چاہیں گے۔سوچ اگر زندگی کے مثبت پہلو کے بارے میں ہو یا مستقبل کے کسی مقصد کے بارے میں ہو تو سب ٹھیک ہے لیکن اگر ماضی کی یادوں کی محض جگالی ہو تو بعض حالتوں میں منفی نتیجہ متوقع ہوتا ہے۔آج کل کی کئی نفسیاتی بیماریوں مثلاً مایوسی Frustration ذہنی دباؤ Depression قنوطیت Pessimism وغیرہ سوچ کی بے راہ روی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آدمی کو سوچنے Thinking اور ذہنی جگالی کرنے Brooding کا فرق ضرور معلوم ہونا چاہیے۔

تاریخ خواہ کسی قوم کی ہو یا فرد کی۔ضرور پڑھنی چاہیے مگر مستقبل کو سمجھنے کے لئے، اس میں حال خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔اگر صرف ماضی کی تلخ و ترش یادوں کو بے مقصد یاد کرنے کی عادت پڑ گئی تو حال میں زہر گھل جاتا ہے اور منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔

صوفیاء کرامؒ نے ہمیشہ سامنے کی طرف دیکھا۔اسی لئے انہوں نے کبھی اپنی خود

Marfat.com

نوشت سوانح پر طبع آزمائی نہیں کی۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے اگر کوئی واقع دہرا دیا تو وہ دوسری بات ہے ورنہ وہ ہمیشہ سامنے دیکھتے رہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو بلا تعاقب کرتی دکھائی دیتی ہے جس کا سر آسماں سے جا لگتا ہے اور پھر ڈر اور خوف۔ سوچ چھلاوا بن جاتی ہے اور پھر کہیں ندامت اور کہیں وساوس و اوہام جو خوابوں میں سانپ اور بچھو بن کر ڈسنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ہمیشہ آگے کی طرف دیکھنا چاہیے۔ آگے اور آگے مزید آگے ...... مگر اتنا آگے بھی نہیں کہ قدم کسی پتھر سے ٹکرا جائیں اور گر پڑو!

ایک خاتون نے اپنے پادری سے کہا: ''فادر! مجھے ابدی سعادت کا راستہ دکھا دیجئے'' اس نے کہا: کوئی بھی تمہیں بتا نہیں سکتا ہے۔ تم پوچھو تو سب مل کے پکار پکار کر تمہیں بتائیں گے، آگے گزر جاؤ، ہم خدا نہیں ہیں، دخترِ من! یہ نشاندہی کافی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ دنیا ہو یا کوئی بھی مقام، اسے بس ایک پُل سمجھو۔ اس پر آوارہ خرامی مت کرو۔ بس اس کو پار کر کے آگے گزر جاؤ۔

مَیں ......مَیں اور......مَیں :

مشہور و معروف سکالر، اُستاد، مزاح نگار اور شاعر پروفیسر غلام جیلانی اصغؔر نے اپنے پہلے مجموعۂ کلام کا نام ''میں اور میں'' رکھا تھا۔ اس ''مَیں اور مَیں'' میں فکری یا نفسیاتی تقابل ذات کی نشاندہی کی طرف اِشارہ تھا۔ یہاں ''مَیں، مَیں اور...... مَیں'' کی گفتگو میں ایسی کوئی مفکرانہ بات نہیں ہے۔ یہ کسی اَنا پرست شخص کا طرزِ کلام ہے جو بولتا ہے تو ''میں'' سے جملہ شروع کرتا ہے، درمیان میں بھی ''میں'' یا ''میرا اور مجھے'' کے ضمائرِ متکلم دُہراتا ہے اور اگلا فقرہ پھر ''مَیں'' سے ہی شروع کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو کیا کہیں گے؟ یہی نا، کہ یہ آدمی Self-centered ہے جس کی توجہ ہر وقت اپنی ذات پر مرکوز رہتی ہے۔ یہ آدمی نرگسیّت کا مریض ہے۔ یا یہ آدمی ہر حال میں خود کو اہمیت دیتا ہے، اسی لئے خودی کو اپنا رکھا ہے (علامہ اقبالؒ نے تو خودی کو مثبت معنی عطا کر کے فلسفیانہ اصطلاح بنا ڈالا مگر فلسفۂ اخلاق میں خودی سے مراد خود پسندی اور خودغرضی

Marfat.com

ہوتی ہے) عام طور پر بہت ہی مہذب لوگوں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ عام حالات میں تو بہت سمجھ دار اور ہمدرد ہوتے ہیں مگر جب ان کی ذات پر کوئی حرف آنے لگے تو وہ بپھر جاتے ہیں اور پھر وہ جب بھی کوئی بات کرتے ہیں ہر دو جملوں میں بے محابا تین بار ''میں میں'' کا صیغہ دُہراتے ہیں اس وقت ان کو بالکل احسان نہیں ہوتا کہ وہ غرور اور تکبر کی حدوں کو چھو رہے ہیں بلکہ انہیں اگر وہیں ٹوک دیا جائے تو وہ کہیں گے کہ چونکہ ان کی عزتِ نفس مجروح ہوتی تھی۔ اس لئے وہ غصے میں آ گئے مگر یہ سب بہانہ ہوتا ہے جو فوری طور پر نفس اپنے دفاع کے لئے سوچ لیتا ہے۔ ورنہ اصل بات وہی ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو اتنی اہمیت دے رکھی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی ذات پر معمولی سی آنچ دکھائی دیتی ہے تو وہ آپے سے باہر ہو کر مَیں، مَیں اور میں کی گردان شروع کر دیتے ہیں۔

ایسے موقع پر وہی آدمی بچتا ہے جو ضبطِ نفس کی مشق کر چکا ہو اور یہ ضبطِ نفس بھی احکامِ الٰہیہ کی صحیح متابعت میں ہوسکتا ہے یا اس سے بھی آگے اخلاقی کوتاہیوں یا خامیوں یا کمزوریوں (جیسے یہی انا پرستی ہے) کی تربیت اور مشق کسی مرشد کی زیرِ نگرانی ہوسکتی ہے۔ مرشد چونکہ صاحبِ تجربہ ماہر نفسیات بھی ہوتا ہے اس لئے وہ ان باریکیوں کو سمجھتا ہے کہ کہاں عزتِ نفس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور کہاں سے انا پرستی کی سرحدیں شروع ہو رہی ہیں۔ آدمی خود بھی اگر باشعور اور اپنے آپ کا ذمہ دار ہو تو اپنی گفتگو اور مزاج پر غور کرتے ہوئے جان سکتا ہے کہ وہ اپنی ''مَیں'' کو بہت اہمیت دے رہا ہے اور یہ غلط ہے۔

Marfat.com

طبع سلیم

وہ مزاج جو آدمی فطرت میں ہی اپنے ساتھ لاتا ہے، وہ تو اپنی جگہ مگر تعلیم اور ماحول بھی مزاج کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت حصہ لیتے ہیں۔ تربیت کے نکتۂ نظر سے طبیعت کو موزونیت اور موافقت اس لئے ضروری ہے کہ یہاں معاملہ سمجھنے اور سمجھانے کا ہوتا ہے۔ جہاں سمجھانے کے خاص طریقے ہیں وہاں سمجھنے کی اہلیت اور استعداد بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اس اہلیت اور استعداد کی پہلی شرط سننے اور پڑھنے کی حالت میں مثبت ذہنی رویہ ہے اور وہ یوں ہے کہ جو کچھ سنا جائے یا پڑھا جائے، اس پر فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا جائے اور اگر دماغ کسی رویہ پر مصر بھی ہو تو وہ رویہ مزاحمت کا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اگر کوئی نصیحت کی جا رہی ہے تو مثبت رویہ یہی ہے کہ آدمی تسلیم کرنے کی نیت رکھے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ اگر کوئی بات ناقابلِ عمل ہو یا اس پر عمل پیرا ہونا خلافِ مصلحت ہو، تو اسے چھوڑ دیا جائے مگر اولین کوشش یہی ہونی چاہیے کہ نصیحت سنی جائے اور اسے مانا جائے۔

یہ بات بھی اسی تعلیم کا حصہ ہے جسے Learning how to learn (سیکھنا، سیکھنے کے لئے) کہتے ہیں۔ اگر آدمی میں شعور آ جائے اور شعور سے مراد اِدراک کی وہ قوت ہے جو آدمی کو ہر وقت باخبر اور ہوشیار رکھتی ہے۔ آدمی اپنے اندر اور باہر ہر طرف دیکھ رہا ہوتا ہے، نشانیوں اور اشاروں کو سمجھ رہا ہوتا ہے خواہ وہ کسی صورت میں ہوں۔ کسی کی گفتگو یا تقریر میں، حالات کی اچانک تبدیلی میں، چیزوں کی الٹ پلٹ میں اور اردگرد کی حرکات و سکنات میں۔

طبع سلیم کے لئے دانائی ہر جگہ موجود ہے۔ بس ادراک کی قوت ہو اور طبیعت قبولیت کی طرف مائل رہے تو آدمی راستے پر رہتا ہے۔ یعنی سلامتی کے ساتھ حیات کا راستہ طے ہوتا

Marfat.com

رہتا ہے۔

سوال یہ بھی ہے کہ شعور بھی اگر گمراہ ہونے لگے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ (شعور زیادہ حساس ہو جائے تو لوگ توہم پرست ہو جاتے ہیں) اس موقع پر کوئی پیر استاد یا مرشد ہی اس بات کا ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد یا طالب کو پٹڑی سے اترنے نہ دے اور اس کی نگرانی کرتا رہے جب تک کہ وہ روشن ضمیر نہیں ہو جاتا، طبع سلیم ہو تو بندہ دین و دنیا میں کامیاب رہتا ہے۔

حزب البحر میں یہ کلمہ پڑھیے: **نَسْئَلُکَ الْعصمة فی الحرکات ...... عن المطالعة الغیوب ۵**

اِستعانت:

اس بات پر عقیدہ ہونا چاہیے کہ زندگی میں جو ولی یا متقی یا کوئی مقربِ الی اللہ اگر کچھ روحانی قوت و برکت رکھتا تھا تو وہ مرنے کے بعد بھی اس روحانی قوت کا مالک رہتا ہے اور ویسا ہی فیض رساں ہوتا ہے جیسے وہ زندگی میں تھا۔ اگر وہ جیتے جی نور بخش تھا تو مرنے کے بعد بھی وہ نور بخش رہتا ہے۔ درویش اور فقیر جب اس عقیدے کے ساتھ کسی ولی کی قبر پر حاضر ہوتے ہیں تو وہ ان کی سنتا بھی ہے اور مدد بھی کرتا ہے۔ مبتدی درویش کو نہ صرف ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اسے حفاظت اور تعاون اور قوت بھی درکار ہوتی ہے کہ وہ راہِ سلوک پر اطمینان سے آگے بڑھ سکے اور اگر کچھ مشکلات راہ میں پیش آتی ہیں تو مرشد یا ہم صحبت درویشوں یا اصحابِ اہل قبور کے فیض سے دور ہو جائیں۔ مرشد، برکت کے اُس سلسلے میں ایک کڑی ہوتا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔ یوں مرید بھی اس سلسلے کی اس کڑی کے سرے پر ہوتا ہے اور اسے بھی اس برکت سے بہرۂ وافر ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ جو اپنے منبع سے جاری وساری چلا آرہا ہے...... سلسلہ کا ہر مرشد ایک کڑی ہے۔

اصحابِ اہل قبور کے مزارات کی زیارت بھی اندریں معاملہ میں مدد و معاون ہوتی

Marfat.com

ہے۔ زیارت کرنے والا ان انوار سے حصہ پاتا ہے جو قبر کی جگہ کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، مرید اپنے مشائخ کے مزارات پر حاضری دے اور وہاں سے فیض پانے کی کوشش کرے۔ قبروں پر حاضری اور اہل قبور کی روحانیت سے فیض حاصل کرنے کے مختلف مراقبات ہیں۔ مثلاً آدمی کچھ کلام پڑھ کر قبر کے سامنے (متوفی بزرگ کے سینے کے مقابل میں) بیٹھ جائے اور دل کو حتی الوسع خیالات سے خالی کر کے منتظر رہے کہ صاحبِ قبر کا فیضان اس کے قلب پر اُترے۔ بعض صورتوں میں زائر کو کچھ محسوس نہیں ہوگا مگر احساس نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ اثر بہت بعد میں ظاہر ہوتا ہے اور آدمی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ اسی وجہ سے ہے۔ بہرصورت اثر ہوتا ضرور ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ نے ''دعوتِ قبور'' یا ''دعوتِ قرآن'' پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اگر اہل قبور سے استعانت مقصود ہو تو سادہ طریقہ یہ ہے کہ بندہ قبر کے سامنے بیٹھ کر قرآن مجید کا کوئی حصہ یا کوئی سورت پڑھے اور اسکے بعد دعا کرلے۔ صاحبِ قبر بھی اس کے ساتھ آمین کہتا ہے اور مراد پوری ہو جاتی ہے۔ یہ سب باتیں مبتدیوں کے لئے ہیں۔ منتہی تو جہاں بھی ہوتا ہے وہ اہل قبور کی قبر کا دُور سے تصور کر کے بھی فیض اخذ کر لیتا ہے یا ان کی مدد کو اپنے قریب پاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحبِ روحانیت خود اس کے پاس آجاتا ہے۔ اور وہ اس کی موجودگی کو محسوس کرتا ہے۔ یہ حق الیقین کا درجہ ہے۔ وہی دیکھتا ہے جو ایک بار پہلے دیکھ چکا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ''یا خواجہ معین الدین چشتیؒ'' تو ان کی روحانیت چشم زدن میں ان کے پاس آموجود ہوتی ہے۔ اپنے مرشد کو لوگ ان کی زندگی میں پکارتے ہیں اور اس کی روحانیت مدد کو پہنچ جاتی ہے۔

نظامِ قدرت:

''رنگِ نظام'' میرے مخدوم جناب پیر سید نصیر الدین شاہ نصیر کے مجموعہء رباعیات کا نام ہے مگر ان سے یہ ترکیب مستعار لے کر قدرت کے نظامِ کار کے بارے میں چند نکات پر غور کر لینا چاہیے۔

Marfat.com

بابا جی اشفاق (جناب اشفاق احمد مرحوم) اپنے ٹی وی پروگرام ''زاویہ'' میں گفتگو فرما رہے تھے اور اُنہوں نے اس موضوع پر کچھ ارشادات سے نوازا مگر زیادہ گہرائی میں نہیں گئے کیونکہ وہ عوام سے مخاطب تھے اور انہی کی عام ذہانت کو سامنے رکھ کر بات کر رہے تھے۔ وہ اپنی طرز میں یقیناً درست فرما رہے تھے مگر جب کبھی اہل حلقہ کے سامنے بات ہوتی ہے تو پھر فقیرانہ اسلوبِ حیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ گہرائی میں جا کر سوچنا پڑتا ہے۔ پرانے دور کا درویش جب خانقاہ میں ایک مرشد کے سامنے بیٹھا ہوتا تھا تو اسے صرف اپنی ذات کی اصلاح سے سروکار ہوتا تھا اور اس راہ میں اسے جو روحانی واردات پیش آتی تھیں وہ بھی عام طور پر اس کی ذات سے ہی متعلق ہوتی تھیں۔ مرشد اور مرید کو بس اپنے کام سے کام رہتا تھا۔ ان کے آس پاس جو کچھ ہو رہا ہوتا تھا وہ اس سے بہت کم تعرض کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اردگرد کے حالات کے جائزے کو مبتدی و متوسط سالک کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔

یہ رویہ ایک حد تک مناسب بھی تھا کیونکہ اسلامی حکومت تھی اور بادشاہوں کے کاموں میں دخل اندازی کو فتنہ تصور کیا جاتا تھا۔ فقراً البتہ جب کسی امیر یا بادشاہ کے مظالم کے بارے میں سنتے تھے تو احتجاج ضرور کرتے تھے مگر کاروبارِ حکومت اور حکومت کی حکمتِ عملی کو وہ چلنے دیتے تھے اور کہتے تھے:

درویش، ترازِ ذکر شاہاں چہ غرض

یا

ماقصۂ اسکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا نپرس

یعنی ہم نے اسکندر و دارا کی لڑائیوں کا قصہ نہیں پڑھا ہے، ہم سے مہر و وفا کی حکایت کے سوا اور کچھ مت پوچھو۔ یہ ایک دور تھا جو گزر چکا۔ اب حکومت اور ان کے طریقے دوسرے ہیں، حکومتیں غیر اسلامی ہیں یا نوآبادیاتی۔ اگر مسلمان ملکوں میں آزاد حکومتیں بھی ہیں تو وہ جمہوری

Marfat.com

نظام اپنائے ہوئے ہیں جہاں ہر فرد حکومت بنانے اور حکومت چلانے اور حکومت کو رائے دینے میں شریک اور شامل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو آس پاس کے بارے میں واقعات و معاملات کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ ان کے متعلق کچھ نظریات رکھتا ہے اور ان کو منوانے یا پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔

سیاسی، معاشی، اِقتصادی پالیسیوں اور ان کے نفاذ کے بارے میں ہر ذہین شہری سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ان کے بارے میں معلومات رکھے، رائے قائم کرے اور ہو سکے تو اس کا اظہار بھی کرے۔

اس صورتِ حال میں درویش اپنے آس پاس کے ماحول سے بے نیاز اور بے غرض نہیں رہ سکتا اُسے اگر کہا بھی جائے تو وہ اس سے ذہنی طور پر لا پرواہ نہیں رہ سکتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب بدلتی ہوئی دنیا میں ایک درویش جو فقیر بننے اور فقیرانہ اسلوب اختیار کرنے پر تلا ہوا ہے، وہ کیا کرے؟ پیشتر اس کے کہ ہم اس سوال کے جواب پر غور کریں، ہمیں ایک اوسط درجے کے ذہین شہری کی ذہنی، دماغی اور جذباتی کیفیت پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ آج کا شہری اپنے اردگرد پر نظر ڈالتا ہے (اور یہ وہ شہری ہے جو نیم خواندہ ہے یا خواندہ ہے تو خامکار ہے، اور اگر کچھ بالغ نظر ہے تو اس کے ہاتھ پلے کچھ نہیں) تو اگر وہ ترقی پذیر ملک میں ہے تو جیسی تیسی صورت حال ہے، اپنے تیئں بے بس پاتا ہے اور اگر ترقی یافتہ ملک میں رہ رہا ہے تو وہاں اس کے بے بسی کی اور بہت صورتیں ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے، قنوطیت اور یاس۔ Depression, Pessimism یا کچھ اور کرنا چاہتا ہے اور کر نہیں پا رہا تو فرسٹریشن۔ اگر یہ کیفیات کسی کو گرفت میں لے لیں تو پھر یہ ایسی امراض ہیں جو بعض اوقات مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔ اگر درویش بھی ان کیفیات کی زد میں آ جائے تو پھر وہ کچھ نہیں سیکھ پائے گا۔

فقیری اور درویشی میں تربیت و آموزش تو الگ بات ہے، عام تدریس میں بھی یہ

Marfat.com

ضروری ہے کہ ایک طالب علم اپنے آپ کو تفکرات سے آزاد کر کے استاد کے سامنے بیٹھے اور دل و دماغ کے دریچے کھول کر سنے جو پڑھایا جا رہا ہے۔

اب ہم اس بات کو لیتے ہیں کہ موجودہ صورتِ حال میں ایک درویش کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ یعنی لوگ یہ بھی نہ کہیں کہ یہ صوفی لوگ تو کاروبارِ زندگی اور نظامِ حکومت سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور ایسا بھی نہ ہو کہ وہ بہت حساس ہو جائیں اور ان کی نظر و توجہ اِدھر اُدھر بھٹکتی رہے۔ درویش کے لئے تو یہ صرف ملکی معاملات کی بات ہی قابلِ غور نہیں بلکہ خود اس کے گھر کے حالات اور برادری کے معاملات بھی توجہ طلب ہوتے ہیں اور اسے ان کے بارے میں ایک رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ جو بھی صورتِ حال ہے، ملکی سطح کی ہے یا خاندانی اور گھریلو سطح کی۔ اسے قبول کر لیا جائے۔ ''یعنی قبول کر لیا جائے'' سے مراد یہ ہے کہ اس پر غیر جذباتی انداز میں نظر ڈالی جائے اور اپنے آپ کو اس سے ذہنی اور فکری طور پر الگ کر کے دیکھا جائے، یہاں تک کہ بندہ یہ سمجھے کہ میں ان سب سے الگ ایک طرف کھڑا ہوں۔ اگرچہ واقعاتی طور پر ایسا نہیں ہوگا مگر ذہنی طور پر یہ رویہ اپنایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھ لے کہ یہ نظام میرا یا میرے سامنے ان موجود لوگوں کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ یہ پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔ کہیں اس کے کچھ محرکات و اسباب تھے جن میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب انجامِ کار و حالات ایک نہج پر جا رہے ہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں یا تو ٹھیک چل رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر غم کا ہے کا۔ اور اگر ان میں تبدیلی درکار ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ پرانے زمانے کے درویش کے لئے یہ سوال بے معنی تھا۔ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کرنے والے اور بہت ہیں۔ ہمارے بادشاہ ہیں، مطلق العنان اور ان کے وزیر ہیں با تدبیر، پھر ہمارے حکام ہیں اور امرائے عساکر، یہ سب کام وہ کر لیں گے۔ آج کا درویش ایسا رویہ اختیار کرے تو بدھو کہلائے گا لیکن اگر ان کاموں میں غیر محتاط انداز میں دخیل ہو گیا تو کسی مرشد سے بھی کچھ نہ سیکھ پائے گا۔

مرشد کے پاس جا کر ایک بات ضرور سمجھ لینی چاہیے اور اس کی حضوری میں یہ بات

Marfat.com

سمجھ آجاتی ہے کہ نظامِ قدرت کی ایک ترتیب ہے۔ یہ ایک خاص قاعدے سے چل رہا ہے۔ اس میں کچھ وجوہات اور نتائج ہیں، کچھ مرئی اور کچھ مرئی۔ کبھی یہ ترتیب بالکل درست طور پر جاری ہوتی ہے اور کبھی اس میں خلل بھی پڑ جاتا ہے مگر آگے جا کر یہ خلل خود بخود دور ہو جاتا ہے اور حالات اپنی فطری نہج پر آجاتے ہیں۔

نظامِ فطرت کا یہ رنگ سمجھ میں آجائے تو درویش کو اپنا طریق کار بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ کچھ نہیں کرتا مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کر رہا ہوتا ہے۔ وہ علیٰحدہ غیر جانبدار طور پر کھڑا ہو کر اس نظام اور کارروائی پر نظر ڈالتا ہے، اس کے پیچھے اس کی رائے بھی ہوتی ہے، ایک تمنا ہوتی ہے اور وہ توجہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ غیر معمولی تخلیقی توجہ اور ہر کام صحیح ہونے لگتا ہے۔

آج کل معاشرے میں سب سے زیادہ جو بات عوام و خواص کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے، وہ دولت اور غربت کا مسئلہ ہے۔ امیر اور غریب میں تفاوت اس قدر بڑھ گیا ہے کہ خواہ مخواہ دلوں میں سوال اُٹھتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

اس کے ساتھ اور کئی سوالات اُٹھاتے ہیں۔ کیا یہ مصلحتِ الٰہیہ ہے جس کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے؟ یقیناً کئی باتیں ایسی ہیں جو الٰہی مصلحت کے دائرے میں داخل ہیں یعنی وہاں سوال اٹھانا بے معنی معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک سنگریزہ ہے اور ایک موتی، ایک کوئلہ ہے اور دوسرا ہیرا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اللہ نے جسے جیسا چاہا، بنا دیا۔ کیا امیر اور غریب بھی اسی زُمرے میں آتے ہیں کہ اللہ نے جسے چاہا امیر بنا دیا اور جسے چاہا غریب رکھا؟

وہ لوگ جو اسے الٰہی مصلحت سمجھتے ہیں، خود بخود سکون کی حالت میں ہیں۔ الٰہی فرمان بھی اس کی تائید میں دہرایا جاسکتا ہے کہ اللہ ہی روزی فراخ کرنے والا ہے اور اللہ ہی معیشت میں تنگی لاتا ہے۔ مگر کچھ دوسرے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ درست ہے، امیر اور غریب کا فرق کچھ نہ کچھ ہمیشہ رہے گا مگر اسے کم تو کیا جاسکتا ہے۔ ایسا تو ہرگز الٰہی حکم نہیں ہوسکتا کہ امیر اسی ملک سے

Marfat.com

کمائی ہوئی دولت پر عیاشی کرتے رہیں اور انہی کے بھائی بند ان کے ارد گرد خوراک مہیا نہ ہونے پر مرتے رہیں۔ لہٰذا اس فرق کو جو دولت مند اور نادار کے درمیان ہے، کم کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اور آج کے دور میں چونکہ ہم ہی حکومت ہیں تو ہمیں احتجاج اور مزاحمت کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ غربت دور ہو جائے یا کسی حد تک کم ہو جائے۔ پچھلی صدی سے کچھ تحریکیں ایسی چلیں جن کا مقصد دولت اور غربت کے فرق کو مٹانا تھا۔ سرمایہ اور محنت کے مقابلے میں بحث شروع ہوئی۔ دو نظام سامنے آئے: اشتراکیت اور سرمایہ داری۔

اس صدی میں اشتراکیت کے تجربے کو ناکامی ہوئی اور سرمایہ داری نظام آگے آ گیا ہے۔ اس سے دولت اور غربت کا امتیاز اور بڑھ گیا ہے۔ پرانا رویہ کہ سب چلتا ہے، چلنے دو اور خدا نے جیسے بنا دیا، بس اب تو وہی ٹھیک ہے، ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہیے، عملاً ناقابل قبول ہو چکا ہے۔ اب ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ وہ اپنی رائے قائم کرے یا فیصلہ کرے کہ وہ احتجاج یا مزاحمت کا کوئی موزوں و متوازن طریقہ چنے یا وہ پورے زور سے بلاتامل استحصال کی قوتوں سے ٹکرا جائے۔

اندریں بارے درویشوں اور فقیروں کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ان کے سامنے نبیوں اور ولیوں کا راستہ ہے جو خود بھی اپنا ہاتھ کھلا رکھتے تھے، غریبوں کی مدد پر ہمہ وقت مستعد رہتے تھے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے رہتے تھے کہ ناداروں اور مفلسوں کو دو اور ان کی دستگیری کرو۔ یوں وہ انسانی فطرت کو اس پر اُکساتے تھے کہ اس کے اندر ترحم، ہمدردی اور محبت کے جذبات ابھریں اور ان کے ذریعے سے ان کو مدد پہنچے جو معاشی لحاظ سے کمزور ہیں۔ احتجاج اور مزاحمت کی دوسری صورتیں بھی ہیں مگر وہ سیاست دانوں اور اقتصادی ماہرین کے لئے رہنے دیں۔ کیونکہ سیاست دان تو ان کاموں کے ذمہ دار ہیں، اور اقتصادی ماہرین وہ مدبرین ہیں جو اصلاحِ احوال کے لئے نظریات پیش کرتے ہیں۔ گویا درویش اپنے شعبے میں مامور ہیں اور دوسرے حکام و عمال اپنے شعبے میں ذمہ دار ہیں۔

Marfat.com

ایسی بلندی، ایسی پستی

اس اونچ نیچ کو ایک اور نظر سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور شاید تمام کامل لوگ اس کو اسی طرح دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے موت اور حیات کو پیدا کیا کہ وہ آزمائے تم میں سے کون احسن طریقے سے عمل پیرا ہوتا ہے اور وہ عزیز اور غفور ہے۔ (سورۂ ملک)

یہاں موت، حیات، آزمانے اور اللہ کے صفاتی ناموں کو اگر کلیدی الفاظ خیال کیا جائے تو اللہ کی حکمت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حیات تو کام کرنے کا وقفہ ہے۔ موت دراصل ایک درمیانہ وقفہ ہوتا ہے جو اجتماعی یا انفرادی ارتقاء کے درمیان واقع ہوتا ہے جیسے بے جان چیزوں سے جاندار چیزوں کی پیدائش، جانداروں میں آگے حیوانوں کی پیدائش اور پھر انسان کا ظہور۔

ان میں ہر ایک مرحلۂ موت تھا۔ اِقبال کے الفاظ ''مقاماتِ آہ فغاں''۔ کیونکہ ہر مقام چھوڑ کر آگے بڑھنا تھا۔ اب آگے ''آزمانے'' کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کون کیا کرتا ہے یا کیا کرے گا؟ یہاں مفہوم یہ ہے کہ ہر آدمی کو وقفۂ حیات میں کئی قسم کے چیلنج درپیش ہیں۔ اِنہیں آزمائش کہیے یا امتحان، ان سے پاس ہو کر اسے درجۂ تکمیل تک پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ موقع فراہم کرتا ہے کہ ہر شخص تمام رکاوٹوں اور مزاحمتوں کے باوجود اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے جو اُس نے اسے ودیعت کی ہیں اور امتحانوں سے گزر کر وہاں متمکن ہو جو اس کا ''مقامِ محمود'' ہے۔ یہ ہر شخص کا اپنا مخصوص مرتبہ ہے اور کون اچھے عمل کر کے ''احسان'' کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ یہی مقصودِ اصلی ہے۔ یہ بات وہی ہے جسے صوفیاء کرام اور

Marfat.com

مفکرین تکمیل ذات کہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کے لئے تکمیل کے اپنے درجات ہیں۔ جب کوئی بندہ قرآنی آیت کی روشنی میں کسی بھی لمحۂ موجود کو ذرا چشم بصیرت سے دیکھتا ہے تو اس کے سامنے اونچ نیچ کی حقیقت کھل جاتی ہے پھر وہ دولت اور غربت کا مقابلہ نہیں کرتا یا امیری اور غریبی کو اس شدت سے محسوس نہیں کرتا جس سے اسے کوئی خبط ہو جائے اور وہ ان مسائل کو اپنی ذہنی الجھنوں کا حصہ بنا دے۔

اب یہ بات کھلتی ہے کہ امیر ہے یا غریب، طاقتور ہے یا کمزور، بیمار ہے یا صحت مند، میدانِ زندگی میں اس لئے موجود ہے کہ موجودہ چیلنج کا مقابلہ کرے۔ ہر ایک کے لئے گو الگ قسم کے چیلنج ہیں لیکن ہیں تو چیلنج۔ امیر اپنی امارت اور دولت کا مالک ہونے کی صورت میں امتحان میں ہے اور غریب اپنی غریبی اور ناداری کی حالت میں امتحان میں ہے۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی موجودہ صورتِ حال ہو، ہر ایک کے لئے امتحان ہے۔ ہر شخص امتحان گاہ میں کھڑا ہے۔ دولت ضروری نہیں کہ کسی کے لئے ضرور فضل ربی ہو اور غربت ہر ایک کے ضروری نہیں کہ لعنت ہو۔ ہر شخص کا کردار اور رویہ کسی بھی حالت میں فیصلہ کن ہوگا کہ وہ چیلنج اور امتحان سے کامیاب نکلا یا نہیں۔ اس میں اس کی ترقی اور تکمیل کا راز ہے اور یہی قرآنی آیت کا مقصود ہے کہ اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہر بندے کو جو ایک خاص موجود صورتِ حال میں رکھ دیا گیا ہے وہ اس سے کیسے عہدہ برآ ہوا۔ اگر وہ اس سے نکل کر آگے چلا گیا تو فلاح پا گیا اور اللہ کے ہاں عملاً وہ مصلحتِ الٰہیہ پر پورا اترا اور نہ رہ گیا۔

اگر اس طرح دنیا اور اس کے کاروبار اور بلندی و پستی پر نظر ڈالی جائے تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے میں حسد یا یاس اور قنوطیت وغیرہ پیدا نہیں ہوتے۔

اگر ایسا کیا جائے تو ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہر آدمی کی نظر اپنے ذاتی رویے پر ہوگی۔ یوں ضرب المثل والے ''قاضی جی'' کی طرح شہر کے اندیشے میں دبلا ہونے سے بھی بچ جائے گا اور اس کی نظر اپنے رویہ یا سلوک کی اصلاح پر رہے گی۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ کوئی بھی

Marfat.com

معاشرہ اگر اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے افراد کو اپنی ذاتی اصلاح کرنی چاہیے۔

درویش تو ہوتا ہی وہی ہے جو ہمیشہ اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے، اس اصلاح کو خاطر خواہ انجام تک پہنچاتا ہے اور پھر دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔

Marfat.com

دل بدست آور کہ حج اکبر است

''دل ہاتھ میں لو کہ یہ سب سے بڑا حج ہے''

انانیت یا انا پرستی میں سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ اس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ انانیت پسند بندہ اپنے غرور و تکبر میں جب دوسروں سے ناراض ہوتا ہے تو عام طور پر انتقام لینے پر اتر آتا ہے۔ انتقام کی نفسیات یہ ہیں کہ بندے کے سامنے کوئی حد نہیں رہتی۔ وہ انتقام لیتا ہے تو اس کا غیض و غضب بڑھتا جاتا ہے۔ اس طرح دل آزاری ہوتی ہے، ظلم ہوتا ہے اور کئی فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

مثبت رویہ اس کے برعکس ہے:

حضرت سید علی ہمدانی (المعروف بہ شاہِ ہمدانؒ) نے کہیں لکھا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے اتنے راستے ہیں جتنے لوگوں کے سانس مگر سب سے زیادہ مفید راستہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچایا جائے اور فرمایا کہ ہم نے بھی یہی راہ اپنائی اور اس طرح مقصود حاصل کیا۔

شیخ سعدیؒ نے کہا کہ ''طریقت بجز خدمتِ خلق نیست'' یعنی طریقت یا تصوف کیا ہے؟ یہی کہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرو۔ تصوف کے تمام مآخذ میں اسی تعلیم کی تکرار ہے لیکن آج ایک دوسری روایت و ثقافت کے حوالے سے یہی بات سنیں۔

امریکن شاعرہ ایملی ڈکنسن Emily Dickenson کہتی ہے:

If i can stop one heart from breaking

I shall not live in vain;

Marfat.com

If i can ease one's life the aching,

Or cool one pain,

Or help on fainting robin

Unite his nest again,

I shall not live in vain.

یعنی اگر میں ایک دل کو ٹوٹنے سے بچالوں تو میں سمجھوں گی کہ میری زندگی بیکار نہیں ہے۔

اگر میں کسی زندگی سے درد دور کروں یا دکھ کو ٹھنڈا کر دوں یا ایک ہوش کھونے والی چڑیا کو اٹھا کر گھونسلے میں پہنچا دوں تو میں سمجھوں گی کہ میری زندگی بے کار نہیں ہے۔

اسی خاتون نے ایک نظم میں کہا ہے کہ:

If anybody sneer,

Take care, for God is here,

That's all

یعنی اگر کوئی استہزا (مذاق) کرتا ہے۔

تو خیال رکھو، خدا یہیں ہے۔

بس اتنی سی بات ہے!

صورتِ حال:

صوفیاء کرام کے عملی سلوک میں ہمت اور توجہ پر بہت زور دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ بزرگ جو کہیں پہنچتے ہیں تو وہ صرف ہمت اور توجہ کی بدولت۔ وہ سلطانِ ہمت ہوتے ہیں!

توجہ پوری یکسوئی اور خلوصِ نیت سے کام کرنے یا سوچنے یا محسوس کرنے کو کہتے ہیں۔

اس کی مشق یہی ہے کہ خواہ آدمی کوئی بھی کام کر رہا ہو۔ نماز پڑھ رہا ہو، اوراد و وظائف میں

Marfat.com

مصروف ہو، کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو یا کوئی پیشہ ورانہ فرض ادا کر رہا ہو۔ پوری توجہ اس پہ مرکوز رکھے۔ اکثر ہم ایسے موقع پر توجہ کام میں نہیں لاتے جب ہم کسی کی باتوں سے یا اس کی ملاقات سے بور (bore) ہو رہے ہوتے ہیں تو ہم اس وقت اپنی توجہ کو کسی اور خیال کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ یہ غلط ہے، سنو تو غور سے اور توجہ سے سنو ورنہ بوریت سے بچنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ مثلاً آدمی جرأت کر کے اُٹھ جائے یا بات مختصر کر کے ایک طرف ہو جائے وغیرہ۔ لیکن توجہ ہر صورت ہر لمحہ ہر موقع پر قائم رہنی چاہیے۔

اِسی طرح نماز میں عام طور پر توجہ نہیں رہتی، اس کا آسان طریقہ تو یہی ہے کہ معنوں پر غور کر کے کلمات پڑھے جائیں۔ اس میں وقت تو صرف ہو گا مگر فائدہ بھی ہو گا۔

ہمت بھی مشق چاہتی ہے۔ مثلاً صبح سویرے اٹھنا (گرم گرم بستر کو چھوڑنا پڑتا ہے اور اپنے پورے شعورِ بیداری سے آنکھیں کھولنا پڑتی ہیں پھر اٹھنا، ہاتھ منہ دھونا یا وضو کر کے نماز پڑھنا)۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کرنا، کبھی آپ اٹھ کر پانی نہیں لینا چاہتے اور کسی اور سے منگوانا چاہتے ہیں۔ بس ذرا ہمت کر کے خود اُٹھ لیجیے۔ اسی طرح موسم خراب ہے اور باہر نکلنے سے گھبرا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل کر آسمان پر اور ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈال کر پھر اندر چلے آیئے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں ہمت کریں گے تو بڑے بڑے کاموں میں بھی ہمت بڑھتی جائے گی اور مضبوط تر ہوتی جائے گی۔

(بعض درویش تو ہمت کر کے "موت" کو بھی مؤخر کر دیتے ہیں)

غرضیکہ کہ درویشوں اور فقیروں کا اصول تو یہ ہے کہ خواہ صورتِ حال (گھر میں یا باہر کہیں بھی) کتنی بھی خراب کیوں نہ ہو، وہ اپنی توجہ اور ہمت سے ہر مشکل کا تدارک کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ ہر حجاب میں راستہ نکال لینا چاہیے۔

یاد رہے کہ صورتِ حال وہی ہوتی ہے جو لمحہءِ موجود میں آپ کے سامنے ہے۔ یہی آپ کی توجہ اور ہمت کی متقاضی ہے۔ ہر لمحہ موجود ایک امتحان ہے۔

Marfat.com

مشق: دیکھتے رہیے کہ ہر لحہ میں آپ توجہ سے کام لے رہے ہیں؟ اگر توجہ بھٹک جاتی ہے تو اسے واپس لحہء موجود پر مرکوز کیجیے۔ اور ہمت! تو اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے میں ہمت کو کام میں لائیے۔ تمام کرامات کے پیچھے ہمت اور توجہ کی قوتیں ہی ہوتی ہیں۔

آہِ سحر گاہی:

قرآن مجید میں رات کے آخری حصے میں اٹھنے، نماز پڑھنے، قرآن کی تلاوت کرنے اور صبح کے وقت دعا مانگنے کی فضیلت کا ذکر موجود ہے۔ اسی لئے بزرگانِ اسلام نے ہمیشہ ''سحر خیزی'' کا معمول رکھا۔ اقبال نے بھی کہا:

عطارؒ ہو، رومیؒ ہو، رازیؒ و غزالیؒ ہو
کچھ کام نہیں بنتا بے آہِ سحر گاہی

جب وہ آخری عمر میں برطانیہ گئے تو سخت سردی میں بھی صبح جاگ اٹھنے کا اہتمام فرماتے رہے:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

دراصل صبح سویرے اٹھنا اعلیٰ اسلامی اسلوبِ زندگی کا ایک اہم جزو رہا ہے۔ ایران میں صوفی شعراء بار بار اس کی اہمیت و برکات کا اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ ان کے عملی سلوک میں یہ روایت شروع سے چلے آ رہی تھی۔ صبح کا اٹھنا اور اس وقت قرآن کی تلاوت کرنا بہت بابرکت عمل تصور کیا جاتا رہا ہے۔ حافظ نے تو خاص طور پر اپنی شاعری میں آہِ سحر، دعائے سحر، نسیم سحر اور بادِ صبا کو بہت یاد کیا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی ہے۔

صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ
ہر چہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

یعنی اگر حافظ کی طرح صبح خیزی اور سلامتی چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ حافظ نے دولت صبح

Marfat.com

کے وقت قرآن کی تلاوت کرنے سے حاصل کی۔

صبح نماز کے بعد تلاوتِ قرآن پاک کی برکات وہی محسوس کر سکتے ہیں جو ایسا کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کی اگر آواز کے ساتھ تلاوت کی جائے تو اس کا صوتی تأثر ہی قاری کو بلندی مرتبت تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ صبح خیزی کی برکات میں سے ایک بڑی برکت ہے۔ سحر کے وقت بندہ خود کے لئے دعا کر لے یا کسی اور کو یاد کر کے خدا کے حضور میں اس کے لئے خیر طلب ہو تو قبول ہوتی ہے۔ حافظ اپنے کسی مرشد یا بزرگ کے بارے میں نسیم سحری (اپنی وجدانی تمنا و قوت) سے مخاطب ہیں:

اے نسیم سحری بندگی من برساں
کہ فراموش مکن وقتِ دعائے سحرم

یعنی اے نسیم سحر، ان تک میری طرف سے آداب عرض کر اور کہہ کہ مجھے دعائے سحر کے لمحات میں فراموش نہ کریں۔

اس وقت جو وارداتِ غیبی اور تجلیات نازل ہوتی ہیں (بلکہ باہر نکل کر دیکھیں تو خود صبح کا طلوع الٰہی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے) وہ کہیں اور نظر نہیں آتیں۔

کس ندیدہ است زمُشکِ خُتن و نافہء چین
آنچہ ہر سحر از باد صبا می بینم

یعنی کسی نے ختن کے مشک اور چین کے نافہ کی خوشبویات نہیں سونگھی ہوں گی جن کا ہر صبح بادِ صبا کے وسیلے سے مجھے تجربہ ہے۔

یہ واردات (مشک و نافہ) روحانی وجدان (بادِ صبا) کے بروئے کار آنے پر نازل ہوتی ہیں۔ اس وجدان کی بیداری کے لئے سحر کا وقت ہی موزوں ہوتا ہے۔

مرشدوں کا یہ طریق کار رہا ہے کہ ان کا فیضان بھی سحر کے وقت ہی مریدوں کے قلب پر اترتا ہے۔ رابطے کا دورانیہ یہی وقت ہے جب صبح جان و دل کو نور سے نہلا دیتی ہے۔

Marfat.com

پیر مے خانہ سحر جامِ جہاں بینم داد
واندراں آئینہ از حسن کرد آگاہم

پیرِ مے خانہ: مرشد......

جام جہاں بین: روشن دل......

آئینہ: دل، قلب......

حسن: صفتِ الٰہی

یعنی پیرِ مے خانہ نے سحر کے وقت مجھے جامِ جہاں بیں عطا کیا اور اس آئینے میں مجھے تیرے حسن سے آگاہ کیا۔

گو غنیمت شمار صحبت ما
کہ تو در خواب و ما بدیدہ گہیم

یعنی کہہ دے کہ ہماری صحبت و مجلس کی غنیمت سمجھ کہ تو سو رہا ہے/ رہی ہے اور ہم وہاں ہیں جہاں سب کچھ دکھائی دے رہا ہے۔

Marfat.com

ولایت

وِلایت ہو یا وَلایت، یہ ایک ایسا روحانی مقام ہے جسے ایک ایسی منزل کہا جاسکتا ہے۔اس کی کوئی منزل نہیں اور یہ ایک ایسا روحانی منصب ہے جس کی سالکینِ راہ تمنا کیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ منصب اللہ کے خصوصی اختیار میں ہے اور وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔اسی لئے ایک بزرگ اللہ سے التجا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! جب تو کسی کو ولایت کے درجے پر فائز کرنا چاہے تو مجھے بھی یاد رکھنا۔

۱۔ ولایتِ صغریٰ: ہر متقی مسلمان کو یہ ولایت حاصل ہوتی ہے اور اس پر اللہ کا فضل ہوتا ہے، وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اللہ اس کی دعائیں سنتا ہے۔

۲۔ ولایتِ کبریٰ: جو خاص مقربین کو عطا ہوتی ہے۔ یہاں درویش اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ کو اپنی سپردگی میں قبول فرماتا ہے۔اسے بتا بھی دیتا ہے کہ اسے اللہ کے حضور میں پسند کرلیا گیا ہے۔ یہاں وہ ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔اللہ کی طاقتیں اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اس کے باوجود چیلنج اسے ضرور درپیش رہتے ہیں اور انہیں ایسے امتحانات سمجھتا ہے جن سے گزر کر اسے روحانی ترقی ملتی رہتی ہے۔اب یہ اسکی ہمت اور استعداد پر منحصر ہے کہ وہ کہاں تک چلتا چلا جاتا ہے۔

ولایت کے مقام پر ہی بندۂ خدا کو کوئی نہ کوئی کام بھی دیا جاتا ہے جسے عام سادہ زبان میں خدمت کہہ لیجئے۔ایک ولایتِ ابدال کہلاتی ہے کہ یہاں ولی بھیس بدل بدل کر مخلوقِ خدا کی خدمت پر مامور کئے جاتے ہیں۔ عام طور پر چھپ چھپا کر یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں۔اس خدمت کے لئے انہیں کچھ ایسے اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں جنہیں وہ عمل میں لاتے ہیں اور

Marfat.com

باہر سے دیکھنے والوں کو اگر معلوم ہو جائے تو وہ انکی ان قوتوں کو بروئے کار آتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں جیسے خضر علیہ السلام کے کام۔

دوسرا یہ کہ ولایت میں رشد و ہدایت کا کام ہوتا ہے اور یہ ظاہر و باہر نظر آتا ہے۔ یہاں بظاہر کوئی محیر العقول طاقتیں نظر نہیں آتیں مگر وہ موجود ہوتی ہیں اور اس طرح کام کرتی ہیں کہ لوگوں کے دل بدل دیتی ہیں۔ نصیب بدل جاتے ہیں اور تاریخ کا رخ اور ہو جاتا ہے۔ ان ولیوں کی تعلیم و تربیت میں برکت ہوتی ہے اور یہ برکت پورے معاشرے میں خوشبو کی طرح پھیلی رہتی ہے۔ خواہ کوئی اسے جان سکے یا نہ جان سکے مگر یہ موجود رہتی ہے۔

گویا اہل ولایت خواہ مرد ہوں یا خواتین وہ افراد ہیں جو ذات کی تکمیل کر چکے ہوتے ہیں۔ اب ان کی صلاحیتیں امر الٰہی کی تعبیر و تعمیل میں صرف ہوتی ہیں۔

ع : قادر دے ہتھ ڈور اساڈی جیویں رکھے تیوں رہیے ہو

یعنی ہماری ڈور قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے، بس جیسے وہ رکھے ویسے ہی رہنا چاہیے۔ یوں بھی بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اہل ولایت کا ہر کام مشیتِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے اور مشیت ان کے تعاون سے رواں رہتی ہے۔

فقیری و درویشی:

ان تمام ہدایات کے بعد جن کا ابھی ذکر ہوا، بندہ جس حلقے میں داخل ہوتا ہے یا جو مسلک اختیار کرتا ہے، اسے فقیری و درویشی کہتے ہیں۔

اب یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنا اپنا مختلف پس نظر رکھتے ہوئے فقیری اور درویشی کے متعلق کوئی خاص رائے رکھتے ہوں یا فقیروں اور درویشوں کے بارے میں ان کے اپنے ذہن میں الگ الگ تصویریں ہوں مگر یہ ضروری ہے کہ ہم فقیری اور درویشی کی اصلیت کو سمجھ لیں۔

فقیر نادار کو کہتے ہیں، تصوف کی اصطلاح میں فقیر وہ ہے جو اللہ کے سامنے اس طرح جھولی پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کی جھولی خالی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ لینا چاہتا ہے، اللہ سے

Marfat.com

ہی لینا چاہتا ہے۔(اَللّٰہُ غنی و انتم الفقراء) یعنی اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔وہ کیا لینا چاہتا ہے؟اس کی رحمت،اس کا فضل،تکمیل ذات۔

درویشی بھی یہی ہے کہ بندہ اللہ کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہے یا اللہ کو پانے کی سعی میں مردانِ حق کے دروازے پر صدا دے رہا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے، وہی اللہ کی رحمت، اس کا قرب،اس کا فضل،اس کی عنایت اور تکمیل ذات وغیرہ۔

یوں تو تصوف میں فقیری اور درویشی کے الفاظ ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں گو صوفی مفکرین ان میں ایک طرح کا باریک فرق بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔اس کے باوجود فقیر کا معاشرے میں کوئی امتیازی مرتبہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ظاہری طور پر کوئی الگ نشان ہوتا ہے۔ عام طور پر تو وہ ایک معلم اور مربی ہوتا ہے(اس کے لئے الفاظ پیر اور مرشد شیخ مروج و معروف ہیں) مگر لوگوں کے درمیان وہ انہیں کی طرح رہتا ہے اس لئے اس کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر کوئی متلاشی ہو تو فقیر کے رویہ اور مسلک و مشاغل سے اس کی شناخت کی جا سکتی ہے۔اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ:

ولی را ولی می شناسد۔ یعنی ولی کو ایک ولی ہی پہچان سکتا ہے۔

عارف دی گل عارف جانڑیں کی جانڑیں نفسانی ہو۔

یعنی عارف کے متعلق کوئی عارف ہی جان سکتا ہے، ایک نفس کے بندے کو کیا معلوم۔

میں نے کہیں لکھا تھا کہ ابتداءً فقر ایک جذبہ ہے۔لوگوں میں یا تو یہ فطری طور پر ہوتا ہے یا بعدازاں کسی بناء پر کسی نہ کسی طرح سے انہیں تحریک ہوتی ہے اور وہ طالبِ حق بن کر اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں کیونکہ وہ امکانی حد تک اس کا قرب پانا چاہتے ہیں یا اس کی معرفت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ان کی مشکل آسان ہو جاتی ہے کہ ان کی تلاش کے دوران مدد کے لئے کوئی نہ کوئی پیر استاد ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور وہ راہ پر چل پڑتے ہیں اور اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو

Marfat.com

اپنی استعداد اور شوق کی بناء پر کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جاتے ہیں۔

آخر میں فقر ایک اسلوبِ حیات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ فقیروں کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے، ان کی اپنی اقدار ہوتی ہیں جن کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہیں، کہیں کہیں وہ اپنی اقدار کی حفاظت میں دوسروں سے مختلف بھی نظر آتے ہیں تب دوسرے حیران ہوتے ہیں کہ کیا لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں؟ اس حال میں ان کو دیوانہ بھی مشہور کیا جاتا ہے۔ اور ملامت اور طعن و تشنیع کی باتیں سننے میں آتی ہیں مگر فقیر عورتیں یا فقیر مرد اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ غیر محسوس طور پر ان کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں اور یوں ایسی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے کہ نیکی کی قوتیں اُبھرنے لگتی ہیں اور لوگ اچھے کاموں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ فقیر لوگوں کے درمیان ہی رہتے ہیں اور اللہ ان کی وجہ سے لوگوں کی حفاظت کرتا ہے، ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور معاشرے کے عمومی خوشحالی بھی انہی کی برکت سے پھیلتی ہے۔ فقیروں کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی موجود ہوتا ہے جو خلق خدا کی بھلائی کے لئے کسی نہ کسی طرح کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے کام کرنے کی روحانی سطح ہوتی ہے۔ یعنی وہ اقبال کے الفاظ میں نائبِ حق بن کر اس جہان میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ یوں اپنے کام میں منہمک رہتا ہے کہ گویا اسی کام کے لئے پیدا ہوُا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو مر جائے۔ اس کے اس انہاک کی وجہ سے اس کے ماحول میں غیر محسوس طور پر انقلاب پیدا ہو جاتا ہے خواہ کسی کو اس کی موجودگی کا علم ہو یا نہ ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

Marfat.com

ارشاداتِ فقیر

(حضرت سلطانُ العارفین وسلطان الفقر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

جب ہم نے دیکھ لیا کہ فقیر ہی مطلوب ومقصود ہے تو مناسب یہی ہے کہ اب ہم اس صوفی بزرگ کی طرف رجوع کریں جس نے فقر کو ہی موضوع بنایا اور علم وعمل میں اس کے ہر پہلو کا جائزہ لیا۔

حضورﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ ان کے مدنظر رہا کہ:

الفقر فخری والفقر منی۔ یعنی فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک صوفی بزرگ ہیں۔ امت میں اب تک پانچ سلطان الفقر، ارواح ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ یہ ان میں سے ایک ہیں۔ دو کا ظہور باقی ہے اور جب تک وہ دو روحیں ظاہر نہ ہوں گی، قیامت قائم نہ ہوگی۔

آپ کی ایک اہم کتاب ''عین الفقر'' ہے۔ اس میں سے آپ کے ارشادات پڑھیے اور ساتھ ہی ان کی تشریح بھی:

مرشدِ کامل۔ صاحبِ گنجینہ دل:

''کسے خواہد کہ حق حاصل کند و بخدا واصل شود۔ اول طلبِ مرشد کامل مکمل کند کہ آں صاحبِ گنجینہ دل است از تصور تاثیر اسم اللہ، ذکر اللہ، وجودِ فقیر پر نور است۔''

(جو شخص چاہتا ہے کہ حق حاصل کرے اور خدا سے واصل ہو جائے تو سب سے پہلے

Marfat.com

مرشدِ کامل مکمل کی طلب کرے کہ وہ دل کے خزانے کا مالک ہے۔تصورِ اسم اللہ اور ذکر اللہ کی تاثیر سے فقیر کا وجود پرنور ہوتا ہے۔)

ان چند جملوں پر غور کیا جائے تو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمادی ہیں جو فقر و تصوف کے مقصود، وسیلہ اور ذریعۂ علم و عمل سے متعلق ہیں یعنی:

مقصود: حصولِ حق اور وصل با خدا

وسیلہ: مرشدِ کامل و مکمل

ذریعۂ علم و عمل: تصورِ اسم اللہ اور ذکر اللہ

مطلوب و مقصود کو متعین کرتے ہوئے فقر و تصوف اور سرّی فلسفہ Mystical philosophy کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ جہاں سرّی فلسفہ مائل بہ الحاد ہوتا ہے۔ وہاں فقر و تصوف کا تعلق براہِ راست مذہب سے ہے۔مذہب کی اِنتہا بھی خدا کے قرب تک ہے اور فقر میں بھی اسی پر زور دیا جاتا ہے۔اسی لئے کہتے ہیں کہ صوفی یا فقیر اندر سے عمیق مذہبی ذہن رکھتا ہے۔یعنی وہ حق اور حقیقت کو جاننا چاہتا ہے۔اس کا یہ جاننا محض عقل و خرد اور جوش و جذبہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی ساری فطری قوتیں مل کر اُسے حق کے حصول اور واصل با خدا ہونے میں مدد دیتی ہیں۔وصل سے مراد قرب کا انتہائی مقام ہے جہاں تک بندۂ خدا کی رسائی ہو سکتی ہے۔

وہ شخص جو اپنے اندر اتنی تڑپ رکھتا ہے کہ اپنے حصول کو یقینی بنانا چاہتا ہے، ہر ممکن وسیلہ کو کام میں لائے گا۔اس راہ میں سب سے بڑا وسیلہ مرشد ہے مگر مرشد وہ ہونا چاہئے جو کامل اور مکمل ہو یعنی خدا تک جانے اور پہنچانے والے سارے راستوں سے واقف ہو، خود اپنی ذات کی تکمیل کر چکا ہو اور صرف ماہر نفسیات ہی نہ بلکہ روحانیت کی باریکیوں کو جانتا ہو۔ مرشد ''صاحبِ گنجینۂ دل'' ہوتا ہے۔اس کی دلوں پر نظر ہوتی ہے، وہ دلوں کے راز جانتا ہے اور خدا نے اسے دلوں کے خزانے کا مالک بنایا ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کی اس کی استعداد اور ظرف کے مطابق تربیت کرتا ہے اور اسے یہ قوت ملتی ہے کہ اپنے پاس آنے والوں کی شخصیت اور کردار بلکہ

Marfat.com

پوری ذات کی اس طرح تشکیل و تکمیل کرے جو قدرت کو اسکی پیدائش میں مقصود تھی۔

اب رہی علم و عمل کی بات تو حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے تصورِ اسم ذات کو بہت اہمیت دی ہے۔ درویش مرشد کی نگرانی میں تصورِ اسم ذات جاری رکھتا ہے حتی کہ اس کی وجدانی قوتیں جاگ کر بروئے کار آتی ہیں اور قضا و قدر کے راز اس پر کھلنے لگتے ہیں اور حیات و کائنات میں کارِ خداوندی کا اسے ادراک ہونے لگتا ہے۔

مرشد کی زیرِ ہدایت بندہ ذکر کی تمام مشقیں دل لگا کر کرتا ہے۔ اللہ کے نام کو مختلف اشغال میں دہراتا رہتا ہے حتی کہ اس کا یہی ذکر قوت بن جاتا ہے اور یہ قوت اسے بلندیوں تک لے جاتی ہے اور آخر وہ ایک بلند سطح پر وہ کام شروع کر دیتا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا۔ فقیر جب اِنتہا پر پہنچتا ہے تو پھر اس کا وجود پر نور ہو جاتا ہے یعنی وہ ایک عارف کے قول کے مطابق ''نور دان، نور بین اور نور بخش'' ہو جاتا ہے۔ اب وہ جہاں اور جس حال میں ہو، مرشد ہے! (تصورِ عشق ذات کی مشق کے لیے دیکھئے راقم کی کتاب اسرارِ ھو)

یک نظر مرشدِ کامل:

''اے صاحبِ علم جاہل! یک نظرِ مرشدِ کامل بہتر است از عبادتِ ہزار سال۔ چرا کہ در علم سر دردی سر بسر قیل و قال است و در نظر صاحبِ نظر تمام معرفت وصال است۔''

(اے صاحبِ علم جاہل! مرشد کامل کی ایک نظر ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے کیونکہ علم میں سر دردی اور سراسر قیل و قال ہے اور صاحبِ نظر میں سب معرفتِ وصال ہے۔)

صوفیاء کرام نے اپنے نظامِ تربیت میں مرشد کو اس لئے بہت اہمیت دی ہے کہ سب کچھ اس کی توجہ اور تعلیم پر منحصر ہے۔ یوں تو یہ سب شعبہ ہائے علوم میں ہوتا ہے کہ استاد کا ہونا بہت ضروری ہے مگر تصوف و فقر میں تو مرشد کے بغیر ایک قدم چلنا بھی محال ہے۔ اسی لئے مرشدِ کامل کی نظر (توجہ اور تلقین) کا بار بار حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ مرشد کی توجہ محض گفتگو نہیں ہوتی بلکہ اس کی مجلس میں گفتگو ہو یا خاموشی، نہ نظر آنے والی قوتیں اپنا کام

Marfat.com

کرتی رہتی ہیں۔ شعاعیں پھیلتی رہتی ہیں، حرارت دل کو گرماتی رہتی ہے اور اپنے انداز میں روحانی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ اگر اکیلے میں آدمی خود عبادت کرتا رہتا ہے تو فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر بہت آہستہ آہستہ۔ کئی سالوں کے بعد کبھی کوئی سعی بروئے کار آتی ہے۔

ایک عالم سمجھتا رہتا ہے کہ اسے مرشد کی ضرورت نہیں۔ جو خود بہت کچھ جانتا ہے مگر وہ ان لطیف قوتوں کی کاربرآری سے بے خبر رہتا ہے، اس لئے اُسے جاہل کہا گیا ہے۔ وہ علم جس میں سر دردی ہے، وہ محض کتابی علم ہے جس سے دانش میں تو اضافہ ہو جاتا ہے مگر وِجداں بیدار نہیں ہوتا۔ (حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، اسے عقل بیدار بھی کہتے ہیں) مگر معلومات میں اضافہ ہو گیا تو کیا ہوا؟ یہ معلومات بھی آخر میں صرف بوجھ ہی بنی رہتی ہیں۔ اصل علم تو سینہ افروزی ہے:

ع

سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

اِقبال نے کہا کہ ان کا سینہ تو صاحبِ نظر لوگوں کی صحبت میں روشن ہوا۔

معلومات بہت ہوں گی تو صرف گفتگو میں ہی کام آئیں گی مگر اس قیل وقال کا ذِہن، دماغ اور روح کو کیا فائدہ؟

ہاں صاحبِ نظر یا مرشدِ کامل کے حلقے میں بیٹھیں گے اور وہ توجہ سے ایک نظر آپ کو اگر صرف دیکھے گا بھی تو دل کے کونے کھدرے کہیں نہ کہیں سے روشن ہو جائیں گے۔ وہ بات کرے گا تو ذہن نشین ہو جائے گی۔ آدمیوں اور ان کی حالت اور زمانہ کے حالات تو رہے ایک طرف، روحانی عوالم کی معرفت اور پہچان حاصل ہو گی اور بِالآخر خدا تک جا پہنچیں گے۔ یعنی:

ابتداء: نظر صاحبِ نظر

اِنتہاء: معرفت اور وصال

مرشدِ کامل کی نشانی:

''مرشدِ کامل راچہ نشان است؟

Marfat.com

یک نظر او بہ از عبادتِ جاوداں است

مرشدِ کامل را چہ نشان است؟

دست بدست رساند کہ آنجا امن الامان است

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِناً ''   (قرآن مجید)

(یعنی مرشدِ کامل کی کیا نشانی ہے؟ یہ کہ اس کی ایک نظر بہتر ہے، عبادتِ جاوداں سے۔

مرشدِ کامل کی کیا نشانی ہے؟ یہ کہ ہاتھ پکڑ کر وہاں پہنچا دیتا ہے جہاں امن ہی امن ہے۔

''جو اس میں داخل ہو گیا، امن میں آ گیا۔'')

نظر سے مراد مرشد کی توجہ ہے۔ جب مرشدِ کامل کسی کی طرف توجہ کرتا ہے تو پھر وہ جو کچھ کہتا ہے، جو بتاتا ہے، جو سکھاتا ہے، وہ طالب کے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ عبادتِ جاوداں سے مرشد کی توجہ بہتر ہے۔ یہ بیان محض مبالغہ نہیں ہے بلکہ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ طالبِ حق کو جو کچھ کرنا ہے، اس کے لئے مرشد ایک بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس بنیاد پر ذکر و فکر اور دینی عبادات کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور وہ قائم رہتی ہے۔ یہی بات ہے جسے یوں بھی کہا گیا ہے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء

یعنی اولیاء کی مجلس میں ایک گھڑی بیٹھنا، ہزار سالہ ریاکاری سے محفوظ عبادت سے بہت ہے۔

پھر مرشد کا کام صرف بتانا ہی نہیں ہے۔ اس کے لئے تو مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں بہت استاد موجود ہیں جو اپنے لیکچرز کے ذریعہ معلومات طالب علموں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح کتابیں موجود ہیں ان کے ذریعہ بھی آدمی اپنے علم میں اضافہ کرسکتا ہے۔ فقیری میں مرشد وہ استاد ہے جو دستگیری کرتا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر راستے پہ لے آتا ہے اور نہ صرف راستے پہ چلا دیتا ہے بلکہ ہر حال میں ہمراہی میں ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے کہ طالب حق اگر کہیں لڑکھڑا جائے یا راستے سے بھٹکنے لگے تو اس کا ہاتھ پکڑ لے، گرنے نہ دے اور گمراہ نہ ہونے دے۔ جو لوگ جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ فقیری میں پیر استاد حاضر ہو یا غائب، مرید کی مدد پر اپنے تئیں مامور پاتا ہے۔ صرف رابطہ رہنا چاہیے اور پہلا فرض مرید کا ہے کہ وہ یہ رابطہ قائم رکھے۔ جب مرشد مرید کا نگران ہو تو پھر امن ہی امن ہے، سلامتی ہی سلامتی ہے۔ کیونکہ مرشد کی دستگیری کے ساتھ ہی اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے، مشائخ طریقت کی برکت کے طفیل راستے کھل جاتے ہیں اور یوں بھی ہوتا ہے کہ:

ع: قدم اٹھیں تو زمانہ مجھے رستہ دے دے!

ومن دخلہ کان امناً۔ جس طرح مکہ ایک Sanctuary ہے جہاں داخل ہوتے ہوئے آدمی امن کی حالت میں آ جاتا ہے، اسی طرح مرشد کے حلقے میں جو آ گیا، اس نے امن و اطمینان وسکون کو پالیا۔ اگرچہ نشیب وفراز تو آتے رہیں گے مگر نتیجہ مرید کے حق میں ہمیشہ مثبت رہے گا اور اس سے اس فائدہ ہی ہوگا، آزمائش سے گزر کر وہ طاقتور بن کر آگے چلے گا۔

Marfat.com

صاحبِ حکم

''مرشدِ کامل مکمل بحکمِ حاکم خدا تعالیٰ صاحبِ حکم است۔ در ولایت او کہ دزد بیاید، یک مرتبہ کشتہ گردد۔ در ملک وجودِ او دار السلام گردد۔''

(کامل مکمل مرشد خدا تعالیٰ کے حکم سے صاحبِ حکم ہوتا ہے۔ اس کی ولایت میں چور کو پالیں تو فوراً قتل ہو جاتا ہے۔ اس کے ملکِ ولایت میں وجود سلامتی کا گھر بن جاتا ہے۔)

صوفیاء کرام کا تو یہ خیال ہے کہ ایک کامل مکمل مرشد جہاں بھی ہے وہ اُولی الامرِ منکم (تم ہی میں سے صاحبِ امر) ہوتا ہے، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اسے صاحبِ حکم کہا ہے۔ یعنی ظاہر و باطن، دین و دنیا، عالم سیاست و معاشرت سب میں اس کا حکم چلتا ہے مگر عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ ظاہر میں صرف قطبِ ارشاد بن کر رہتا ہے کیونکہ اس کا یہ منصب باقی سب حیثیات پر غالب ہوتا ہے۔ باطن میں تو مرشد کا صاحبِ حکم ہونا مسلّم ہے۔ اپنے زیرِ تربیت مریدوں کی وہ جس طرح تربیت کرے، کر سکتا ہے۔ نصاب، طریقۂ تعلیم تربیت اور تکمیل سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے اختیار بھی ملتا ہے۔ اپنے حلقے کے لوگوں کو وہ شیطان سے بچاتا ہے۔ اگر کوئی وسوسہ، کوئی وہم اور کوئی شک اس کے مریدوں کے دل میں گزرے تو مرشد کی توجہ سے اس کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اس کے حلقے میں جو شخص آ جاتا ہے۔ وہ آفاتِ ظاہری و باطنی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ مرشدِ کامل مکمل ایک حاکم بھی ہے اور حکیم بھی، طبیب بھی ہے اور مشکل کشا بھی۔ اس لئے جو بھی اس کے پاس آ گیا۔ اب گویا وہ اس کی پناہ میں ہے، اسے اللہ نے ایسی قوتیں دے رکھی ہوتی ہیں جو اس کی اور اس کے اہل حلقہ کی حفاظت کرتی ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے:

Marfat.com

''ملک اُسی کا ہوتا ہے جو اُس پر غالب آ جاتا ہے''

مرشد مانندِ درخت:

''مرشد ہمچوں درخت باید۔ چنانچہ درخت سرما و گرما بسرِ خود اختیار و قبول کند و کسے کہ در زیر سایۂ درخت بہ نشیند، آسائش تمام یابد۔ مرشد باید دشمن دنیا و دوستِ دین۔ و طالب باید صاحبِ یقین کہ از مرشد مال جان ہیچ دریغ ندارد۔''

(مرشد درخت کی طرح ہونا چاہیے کہ درخت سارے موسموں گرمی و سردی اختیار و قبول کر لیتا ہے اور جو شخص درخت کے سائے کے نیچے آ کر بیٹھتا ہے، مکمل آرام پاتا ہے۔ مرشد ہونا چاہیے دشمنِ دنیا اور دوست دین۔ اور طالب ہونا چاہیے صاحبِ یقین کہ وہ مرشد کے حکم پر مال اور جان سے دریغ نہ کرے۔)

مرشد کی شخصیت کے لئے بہت خوبصورت مثال دے کر سمجھایا ہے کہ مرشد اپنے مریدوں کو اندر باہر سکھ عطا کرتا ہے۔ وہ ان کی سردی و گرمی اپنے پر لے لیتا ہے اور ان کے لئے دعا کرتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دل آرام پاتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مرشد مریدوں کی دولت پر نظر نہیں رکھتا ہے۔ وہ ایسا مستغنی ہوتا ہے گویا اسے دنیاوی چیزوں سے کوئی دشمنی ہے۔ اس کی نظر دین پر ہوتی ہے کہ وہ خود بھی پارسا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی دین پر قائم رکھتا ہے۔

مگر طالب کو بھی چاہیے کہ جب ایسے مرشد کی زیرِ نگرانی آ جائے تو یقین رکھے کہ اب وہ اس کا حکم مانے گا۔ یہاں تک کہ مال جان بھی نثار کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے گا۔ طالب ایسا ہو کہ ایک بار مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حلم کا امتحان لیا۔ روایت یوں ہے کہ ''ایک بار مولانا شمس الدین (تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) نے بطورِ امتحان اور نازِ معشوقانہ مولانا روم قدس اللہ سرہ سے کہا: کوئی خوبصورت معشوق پیش کرو۔ مولانا روم اپنی حرم سرا خاتون کو جو حسن و جمال میں بے مثل، سارۂ ثانی اور عفت اور عصمت میں اپنے

Marfat.com

زمانہ کی مریم تھیں، شمس تبریزؒ کے سامنے لے گئے۔ مولانا روم نے فرمایا۔ یہ تو میری بہن ہیں، یہ نہیں چاہیے۔ کوئی اور خوبصورت شئے لاؤ جو ہماری خدمت میں رہے۔ مولانا شمس الدینؒ اپنے بیٹے سلطان کو لے گئے اور کہا یہ آپ کی خدمت میں رہ کر کفش برداری کرے گا۔ مولانا شمس الدینؒ نے فرمایا یہ تو میرا فرزندِ دلبند ہے۔ اچھا، میرے لئے تھوڑی سی شراب کا بندوبست کر دیجئے۔ مولانا رومؒ اسی وقت بذاتِ خود باہر تشریف لائے اور یہودیوں کے محلّہ میں گئے اور ایک گھڑا شراب کا بھر لائے اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ مولانا شمس الدینؒ چلا اُٹھے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا روم کے قدموں پر سر رکھ کر کہنے لگے کہ اوّل بے اول اور آخر بے آخر کی قسم! ابتدائے عالم سے فنائے عالم تک آپ کی مثل نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا پھر اسی وقت مولانا رومؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہتے تھے کہ میں آپ کے حلم کا امتحان لے رہا تھا لیکن آپ کے قلب میں ایسی وسعت ہے جس کی انتہا نہیں۔'' (مناقب العارفین)

مرشد مثل طبیب:

''مرشد بمثل طبیب است و طالب بمثل مریض است آنچہ طبیب معالجہ ہر مریض کند۔ دارو تلخ و شریں دہد، مریض را باید کہ بخورد تا بہ شود۔''

(مرشد طبیب کی طرح ہے اور طالب مریض کی طرح ہے۔ جس طرح طبیب ہر مریض کا علاج کرتا ہے تو کڑوی اور میٹھی دوا دیتا ہے، مریض کو چاہیے کہ وہ کھالے تا کہ اچھا ہو جائے۔)

تصوف کا ایک شعبہ طبی Clinical بھی ہے یعنی مرشد کا زاویہ یا خانقاہ ایک ایسا شفا خانہ ہے جہاں لوگ کئی بیماریاں لے کر آتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔ یہ اخلاقی و روحانی بیماریاں ہوتی ہیں جو بعض اوقات انسان کے جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور اسے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اس وقت ایک صوفی مرشد طبیب و حکیم بن جاتا ہے اور ان امراض کا علاج کرتا ہے۔ علاج ظاہر ہے کہ طبیب کی مرضی پر ہے۔ اس کی دوا تلخ بھی ہوسکتی ہے اور شیریں بھی مگر اصل بات یہ ہے

Marfat.com

کہ مریض کو مکمل طور پر اپنے تئیں طبیب کے حوالے کر دینا چاہیے کیونکہ وہ اسی صورت میں تندرست ہوسکتا ہے کہ طبیب جو کچھ دے، اسے کھائے اور جس سے روکے، اس سے پرہیز کرے۔

صوفی مرشد جب کسی طالب کو دیکھتا ہے کہ یہ تکبر اور فخر کی بیماری میں مبتلا ہے تو اسے اپنی خانقاہ میں مہمانوں کی خدمت کرنے اور خانقاہ کی صفائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر وہ باتونی اور جھوٹا ہے تو اسے خاموشی کا روزہ رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر وہ زبان کے چٹخارے کا شوقین ہے تو اسے فاقوں میں رکھتا ہے۔ اگر کوئی مجلس آرائی کا شوقین ہے تو اسے چلے میں بیٹھا دیتا ہے۔ غرضِ کہ اب یہ مرشد پر منحصر ہے کہ وہ کیسے اصلاح و علاج کرتا ہے۔ طالب اگر واقعی حق کا طالب ہے تو پھر وہ ایسا ہی کرے گا جو مرشد اسے کہے گا۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک بند میں فرماتے ہیں:

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ہو
نال نگاہ دے پاک کریندا، وچ سجی صبون نہ گھتے ہو
مَیلیاں نوں کر دیندا چِٹا، وچ ذرہ میل نہ رکھے ہو
سیئاں کوہاں تے مرشد وسدا باھوؒ، وچ نگاہ دے رکھے ہو

مرشد صاحبِ تصرف:

''مرشد فقیر فنا فی اللہ، بقا باللہ، صاحبِ تصرف۔ تحی ویمیت، لا یحتاج۔ بمثل سنگِ پارس، ہمچوں آہن کہ بپارس آشنا شدہ، فی الحال بصورت طلا شد۔ ہمچوں محک۔ نظرش ہمچوں آفتاب۔ خوئے بد مبدل کند۔ صاحبِ خلق چنانچہ خلق محمد رسول اللہ ﷺ۔ مہربان تر چنانچہ از مادر پدر فائق تر راہ نما چنانچہ ہادی فی سبیل اللہ۔ گوہر بخش چنانچہ کان سنگ لعل قیمت۔ موجِ کرم چنانچہ دُرِ دو منزل کشا، چنانچہ مفتاح در قفل۔ از دنیا زر مال بے نیاز چنانچہ طمع۔ عزیز طالبان چنانچہ جان عزیز خویش۔ مفلس تمام چنانچہ درویش۔''

Marfat.com

(مرشد فنا فی اللہ بقا باللہ، صاحبِ تصرف ہوتا ہے۔ ''جلاتا ہے اور مارتا ہے'' لا یحتاج (کسی چیز کی احتیاج نہیں رکھتا، مکمل اور کامل) پارس پتھر کی طرح ہوتا ہے۔ لوہے کی طرح کہ جب پارس اسے چھو لے تو فوراً سونے کی صورت بن جاتا ہے۔ ایک کسوٹی کی طرح۔ اس کی نظر سورج کی طرح ہوتی ہے۔ بری عادت بدل دیتا ہے۔ صاحبِ خلق، محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کی طرح مہربان تر جیسے ماں باپ، دوسروں سے بڑھ کر راہنما، فی سبیل اللہ ہدایت دینے والے کی طرح۔ گوہر بخشنے والا لعل کے قیمتی پتھر کی کان کی طرح۔ کرم کی لہر جیسے موتیوں کا سمندر، ہر منزل کھول دینے والا جیسے قفل کی کلید، اپنی جان سے زیادہ طالبوں کو عزیز رکھنے والا۔ بالکل مفلس، جیسے ایک درویش)

مرشد اور مرید:

''مرشد بمثل بحر است و طالب بمثل موج است نہ موج از بحر جدا، نہ بحر از موج جدا۔ ہمیں طور است طالب فنا فی الشیخ، مرشد چشم است و طالب بمثل نظر، نظر از چشم جدا، نہ چشم از نظر جدا۔''

(مرشد سمندر کی طرح اور طالب لہر کی طرح ہے۔ نہ لہر سمندر سے جدا نہ سمندر لہر سے جدا۔ ایسا ہی ہوتا ہے طالب فنا فی الشیخ۔ مرشد آنکھ کی مثل ہے اور طالب نظر کی مثال۔ نہ نظر آنکھ سے جدا اور نہ آنکھ نظر سے جدا۔)

اس کا مطلب ہے مرشد کے ساتھ ایک ہو جانا۔ ان تمام نظر و عملی اقدار کو اپنا لینا جو صدیوں سے نیکوکار لوگوں کے ورثہ و روایات میں چلی آ رہی ہیں اور مرشد جن کا نمائندہ ہے اور فکر و عمل میں ان سب کی زندہ مثال، ایک زندہ نمونہ۔ مرشد اور مرید میں جب یہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر سب کچھ مل جاتا ہے اور ہر طرف، ہر سمت راہیں کھل جاتی ہیں۔ ایسی راہیں جو اس حلقہ سے باہر کسی پر نہیں کھلتی ہیں۔

اہل مدرسہ معرفت سے بے خبر:

Marfat.com

"زاہل مدرسہ اسرار معرفت مطلب
کہ نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورَدْ"

(یعنی اہل مدرسہ سے معرفت کے بھید مت پوچھ کیونکہ کیڑا اگر کتاب کھا جائے تو نکتہ داں نہیں بن جاتا۔)

اہل مدرسہ کتابی علم تو رکھتے ہیں مگر وہ علم جو روحانی تجربات و مشاہدات و واردات سے حاصل ہوتا ہے، اس سے بے خبر ہیں۔ لہٰذا دانائی اور معرفت کی باتیں فقیروں سے پوچھو۔

بے مرشد و بے پیر:

"بغیر مرشدِ کامل اگر تمام سر بسنگ ریاضت زند۔ ہیچ فائدہ نیست کہ بے مرشد و بے پیر ہیچ کس بخدانہ رسدَ۔ چرا کہ مرشد بمثل دیدہ بانِ جہاز است۔ از ہر بلد، از ہر علم معلم خبر دار باشد۔ اگر معلم در جہاز نباشد۔ جہاز غرق شود۔ خود جہاز، خود معلم۔ فہم من فہم"

(مرشدِ کامل کے بغیر اگر تمام عمر ریاضت کے پتھر سے سر ٹکراتا رہے تو کوئی فائدہ نہیں کہ پیر کے بغیر، مرشد کے بغیر کوئی شخص خدا تک نہیں پہنچ پاتا۔ کیونکہ مرشد جہاز کے نگران معلم کی طرح ہے۔ معلم ہر مشکل اور ہر علم سے خبر دار ہوتا ہے۔ اگر معلم جہاز میں نہ ہو تو جہاز غرق ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرشد خود ہی جہاز ہے اور خود ہی معلم، وہی سمجھا جو سمجھ گیا۔)

تصوف و فقر میں مرشد کی مریدی اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ مرشد شروع میں ہی چند ایسے کام کرتا ہے جو اکیلا ریاضت و مجاہدہ کرنے والا نہیں کر سکتا مثلاً:

مرشد، کام کرنے کا عہد لیتا ہے۔ جسے بیعت کہتے ہیں۔

مرشد، اپنے سامنے مرید کو پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مرشد، دینی و دنیاوی اور اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے دعا کرتا ہے۔

مرشد، اپنی قوتِ قدسیہ اور روحانی توجہ سے مرید کے اندر ایسا شوق پیدا کر دیتا ہے کہ اب ذکر، مجلس صوفیاء اور صحبتِ مرشد کے بغیر اسے چین نہیں آتا۔

Marfat.com

مرشد، روحانی سفر میں ہر موڑ اور مقام پر رہبری کرتا ہے۔

متذکرہ بالا امور سے اگر ایک بھی رہ جائے تو آگے چلنے اور بڑھنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور جب آگے بڑھے گا نہیں تو خدا کے قریب کیسے پہنچے گا؟

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بحری سفر کی مثال دی ہے۔ جہاں مسافروں میں سے کسی کو راہ کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ جہت سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی نگران جہاز ران نہ ہو تو جہاز منزل کی طرف کیسے سیدھا چل سکتا ہے۔ آخری جملے میں بڑی معنی خیز بات ارشاد فرمائی ہے کہ جہاز کا جاننے والا خود ہی جہاز ہوتا ہے اور خود ہی معلم۔ یعنی مرشد خود ہی راستہ ہوتا ہے اور خود ہی رہبر۔

مثلاً مرشد جو کچھ کر رہا ہے، جیسے چل رہا ہے اور جہاں جا رہا ہے، وہی تصوف ہے اور مرید کو جو ہدایات دے رہا ہے، ان کی رُو سے وہ خود مجسمۂ ہدایت ہے۔ لہٰذا سارا سلوک اس بات سے شروع ہوتا ہے کہ خود سے باہر نکلو اور مرشد تک پہنچو اور پھر اس کے ساتھ ایک ہو جاؤ بلکہ وہی بن جاؤ۔ جب اتنا کچھ کہا جا چکا ہے تو یہ مت سمجھئے کہ سب کچھ یہی ہے۔ نہیں، یہ تو ایک حال یا مقام ہے۔ آگے کئی ''مقاماتِ آہ و فغاں'' اور بھی ہیں۔

دل دو اور دل لو:

''اگر بخواہی کہ فقیر اہل اللہ بر تو خوشنود شود، بہ صفاء دل اتحاد کن کہ نظر فقراء بر دل است۔ دل بدہ، دل بگیر کہ دائم الملک است۔''

(اگر تو چاہتا ہے کہ فقیر اللہ والے تجھ پر خوش ہوں تو دل کی صفائی کے ساتھ ان کے پاس رہ کیونکہ فقیروں کی نظر دل پر ہوتی ہے۔ دل دو اور دل لو کہ (دل کا قبضہ) دائمی بادشاہت ہے۔)

عطا مانندِ موجِ دریا:

''فقر...... یک عطا است چنانچہ موجِ دریا۔ منتظر فقیراں برائے آں موج نشستہ اند

Marfat.com

بہر کہ اللہ تعالیٰ بخشد: مراز پیر طریقت نصیحتے باداست۔ کہ غیر یاد خدا ہر چہ ہست برباداست۔"

(فقیری ایک عطا ہے موجِ دریا کی مانند، فقیر اسی موج کے لئے منتظر بیٹھے ہیں، اللہ جسے چاہے، بخش دے مجھے اپنے پیر طریقت کی نصیحت یاد ہے کہ یادِ خدا کے سوا ہر چیز برباد ہے۔)

چار قسم کے فقیر:

"فقیر چہار قسم است۔ اول فقیر صاحبِ آگاہ۔ دوم فقیر صاحبِ نگاہ۔ سوم فقیر صاحبِ راہ۔ چہارم فقیر صاحبِ ہمراہ۔"

(فقیر چار قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) فقیر صاحبِ آگاہ

(۲) فقیر صاحبِ نگاہ

(۳) فقیر صاحبِ راہ

(۴) فقیر صاحبِ ہمراہ)

فقیر صاحبِ آگاہ وہ ہوتا ہے جس کی خود آگہی اور خدا آگاہی صرف اس کی ذات تک محدود ہوتی ہے۔ دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتا یا نہیں پہنچا سکتا۔

فقیر صاحبِ نگاہ وہ ہوتا ہے جو توجہ سے دل کی کیفیت بدل سکتا ہے اور بس۔ آگے نہیں چلا سکتا۔

فقیر صاحبِ راہ وہ ہوتا ہے جسے ہم پیر یا شیخ کہتے ہیں یا مرشد، جو راستے پر چلا بھی دیتا ہے۔

فقیر صاحبِ ہمراہ وہ مشائخ ہوتے ہیں جو طریقوں کے بانی ہوتے ہیں۔ ان اوّل تین قسموں کی ساری خوبیاں بھی ان میں ہوتی ہیں اور وہ دنیا اور آخرت سے بے نیاز ہو کر محض فی سبیل اللہ کام میں لگے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا:

Marfat.com

فقیر وہ ہے جو ہر دو یعنی دنیا و آخرت کو اختیار نہیں کرتا۔ دنیا کو بھی اور عقبیٰ کو بھی خود سے الگ کر دیتا ہے۔

مرشد پر بدظنی سے بچو:

''پس طالب اللہ مرید کمال آنست کہ برقول وفعل پیرومرشد ظاہر بدظن نشود۔''

(یعنی پس کمال کا مرید طالب اللہ وہ ہے جو ظاہر و باطن میں اپنے پیرومرشد کے قول وفعل سے بدظن نہ ہو۔)

کسی بزرگ کے بارے میں کتابوں میں پڑھنا اور بات ہے اور کسی بزرگ سے ان کی زندگی میں ملنا یا ان سے صحبت رکھنا اور بات ہے۔ کتابوں میں بزرگوں کو بشریت کی بات کم ہوتی ہے۔ سب جگہ ان کے روحانی کمال کا ذکر ہوتا ہے لیکن دو بدو ملنے میں ایک روحانی ہستی اپنی بشریت کے ساتھ سامنے ہوتی ہے اور اس بات کا خطرہ موجود ہوتا ہے کہ ملنے والا اسے محض ایک بندۂ بشر ہی نہ سمجھ لے۔ اسی لئے مرید جب رات دن اپنے پیرومرشد کے حضور میں رہتا ہے تو اس میں بشری خصوصیات پر بھی اس کی نظر پڑتی ہے۔ چنانچہ بعض باتوں کے بارے میں ان کی روحانی بزرگی پر اس کے دل میں بدگمانی بھی آسکتی ہے۔ چاہیے کہ طالبِ حق اس قسم کی بدگمانیوں سے بچے ورنہ راہِ حق اس کے لئے مسدود ہو جائے گی اور وہ کچھ رہنمائی حاصل نہ کر سکے گا اور روحانی ترقی سے بے بہرہ رہے گا۔

لوگوں کے ساتھ رہو:

''باہو! فقیر شو، ظاہر با خلق باش!''

(باہو، فقیر ہو اور ظاہر میں لوگوں کے ساتھ رہے۔)

بعض اوقات فقیری اور درویشی کی ابتداء میں دل میں خیالات آتے ہیں کہ بس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر الگ تھلگ جگہ پر ذکرِ خدا میں محو رہنا چاہیے مگر یہ وسوسۂ شیطانی ہے۔ حکم یہی ہے کہ فقیر بن کر رہو مگر لوگوں کے درمیان رہو، ان کی خوشی غمی میں شریک اور شامل!

Marfat.com

عطائے الٰہی:

''فقر عطائے الٰہی است۔ ہر کہ اللہ تعالیٰ بخشند، آں کس خواہ خوردن در سیری باشد خواہ در گرسنگی۔''

(فقر عطائے الٰہی ہے۔ اللہ جسے چاہے بخش دے۔ خواہ کوئی خوب کھاتا پیتا ہو یا بھوکا رہے۔)

اِستقامت:

''فقیر باہُوؒ گوید کہ در راہِ فقر استقامت باید۔ نہ ہوائے نفس و کرامت۔''

(فقیر باہُو کہتا ہے کہ فقر کی راہ میں اِستقامت چاہیے نہ کہ اپنی خواہشیں اور کرامت۔)

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک مرشدِ کامل کی حیثیت سے نصیحت فرماتے ہیں کہ فقیری اور درویشی کے اسلوبِ حیات میں پامردی اور استقلال کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر اس دائرے میں آ ہی گئے ہو تو پھر نیت کرلو جو کچھ تم کرو گے یا جو کچھ تمہیں کرنے کے لئے کہا جائے گا، اس میں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ ہمیشہ وہ کرتے رہو گے۔ ایک حدیث بھی ان معنوں میں ہے کہ عبادات میں اگر کچھ زائد کرنے لگو تو پھر استقلال سے وہ کرتے رہو ورنہ نیت ہی نہ کرو کیونکہ کچھ شروع کر کے چھوڑ دینا نفسیاتی طور پر بھی کردار و شخصیت کے لئے ضرر رساں ہوتا ہے۔ آدمی کو اس طرح ابتداء کرنے اور چھوڑ دینے کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر وہ کسی کام کو بھی مکمل نہیں کرسکتا۔

لوگ استقامت کا تو خیال نہیں کرتے اور اپنی خواہش پر چلنے کی طرف قائل رہتے ہیں۔ انہیں فقیری اور درویشی کے قواعد و ضوابط اور انکی پابندی کا اس قدر پاس نہیں ہوتا جس قدر وہ اپنی اغراض کو پا لینے میں منہمک رہتے ہیں۔ اسی طرح وہ چاہتے ہیں کہ انہیں کچھ مافوق الطبع قوتیں حاصل ہو جائیں۔ لوگ ان سے متاثر ہوں، ان کے گرد جمع ہوں اور وہ ان کے درمیان

Marfat.com

ایک بارسوخ اور صاحبِ تصرف کی حیثیت سے معروف ہو کر رہیں۔ یہ فقیری سے بہت دور لے جانے والی خصوصیت ہے۔ ایسا شخص انانیت پسند اور خود پسند وخود غرض ہو جاتا ہے۔ فقیری میں اس کا کچھ درجہ نہیں ہوتا۔ لوگوں کے درمیان وہ خواہ ایک بہت بڑا پیر بنا رہے مگر خدا کے نزدیک اس کا کچھ مرتبہ نہیں ہوتا۔ کرامات سے لوگ بہت متاثر ہوتے ہیں اور عام طور پر کرامات دِکھانے والا اس بات کو سمجھتا ہے، نہ ہی کرامات دیکھ کر عش عش کرنے والے ہی سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی نام نہاد کرامات اور جادوگروں کے شعبدوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

عبدالعزیز خالد نے کہا ہے:

ہم سے نہ کرو کشف و کرامات کی باتیں
مستور نہیں ہم سے کوئی رنگ ریا کا

اصل چیز فقیری ہے اور فقیری اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور فقیر اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور دوسروں کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی تلقین میں لگا رہتا ہے، اسے کرامات دکھانے کی فرصت ہی نہیں ہوتی بلکہ اگر از خود کرامات ظاہر ہونے لگیں تو اسے ان کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔

الاستقامت فوق الکرامت

''یعنی استقامت کا درجہ کرامت سے بلند ہے''

وجودِ فقیر پُر نور ہوتا ہے:

''وجودِ فقرا پُر نور است۔ نہ وجودِ مردمِ عام کہ از اربعہ عناصر ظہور''

(فقرا کا وجود پُر نور ہوتا ہے نہ کہ عام لوگوں کا وجود جو اربعۂ عناصر سے ظہور میں آتا ہے۔)

یہ مردانِ حق کی ظاہری و باطنی شان ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں، ان کا ظاہر و باطن روشن ہوتا ہے بلکہ ان کی روشنی ان کے اردگرد کے ماحول کو بھی منور کرتی رہتی ہے۔

Marfat.com

ان کے اندر اور باہر

عقل و خرد کا نور ہوتا ہے،

معرفت کا نور ہوتا ہے،

علم کا نور ہوتا ہے،

عمل کا نور ہوتا ہے اور

رشد و ہدایت کا نور ہوتا ہے۔

اگر وہ خاموش اور بے حس و حرکت بھی بیٹھے رہیں تو ان کی روشنی ان کے آس پاس ہر چیز کو روشن رکھتی ہے۔ وہ اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتے کہ وہ صحت مند بھی ہوتے ہیں۔ خد و خال کے لحاظ سے خوبصورت بھی مگر "پُر نور" نہیں ہوتے۔ یہ سب ان کی کیمسٹری کا اظہار ہوتا ہے جس میں نور نہیں ہوتا۔ یہ نور "راہِ ربانی" پر چلنے والوں کو ملتا ہے......

فرمایا: بجز ترک جانی و کشتن نفس بدستِ بیعت مرشدِ کامل راہِ ربانی حاصل نہ شود کہ دنیا فانی است۔

یعنی ترکِ جاں کے بغیر اپنے نفس کو قتل کیے بغیر اور وہ بھی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر راہِ ربانی حاصل نہیں ہوتی۔

راہِ ربانی پانے کی شرائط یہ ہیں:

ترکِ جاں: سخت محنت، اطاعت و عبادت

کشتن نفس: ظاہر و باطن میں نظم و ضبط

بیعتِ مرشدِ کامل: کامل مرشد کی زیر نگرانی

راہِ ربانی پر چلنے کے بعد اللہ کے بندوں کا وجود اپنے لئے اور جمیع خلائق کے لئے پُر نور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

بادشاہ اور گدا:

''ایں دو کس بے نیاز اند: بادشاہاں و گدایان۔ ایں دو قومے عجب اند کہ بنو دندو بنا شند۔ بفرمانِ کسے فقیراز برائے ایں بے نیاز اند کہ ہم نشیں بے نیاز اند و بادشاہاں بے نیاز بزور مالِ فانی و بادشاہی فقرا باقی جاودانی۔''

(یہ دو شخص بے نیاز ہوتے ہیں، بادشاہ اور گدا۔ یہ دو گروہ عجیب ہیں کہ نہ ان جیسا کوئی ہوا اور نہ ہوگا۔ کسی کے فرمان کے مطابق فقیر اس لئے بے نیاز ہیں کہ وہ بے نیاز (ذاتِ الٰہی) کے ہم نشیں ہیں اور بادشاہ زرّ و مالِ فانی کی وجہ سے بے نیاز ہیں اور فقراً کی بادشاہی جاودانی ہے۔)

معرفت:

''کسے کہ معرفت ندارد۔ اگر چہ ہزار کتاب بخواند و سلک سلوکِ تصوف نمی داند، زبانِ او زِندہ دلِ او مردہ، جاہل مرکب بار بُرندہ۔''

(وہ شخص جو معرفت نہیں رکھتا، اگر چہ وہ ہزاروں کتابیں پڑھ چکا ہو مگر سلک سلوک و تصوف نہ جانتا ہو، اس کی زباں تو زندہ ہوتی ہے مگر دل اس کا جاہل مردہ ہے۔ وہ ایک بوجھ اٹھانے والے جانور کی طرح ہے۔)

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے کہ وہ عبادت کریں یعنی عبادت کے ذریعہ معرفت حاصل کریں۔ معرفت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ جائز و ناجائز کی پہچان سے لے کر خود اور خدا کی پہچان تک کا علم سب معرفت ہے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں معرفت وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ، کشف، الہام اور القاء کے ذریعہ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ پھر قدم قدم پر اس معرفت یا علم لدُنّی کے ذریعہ وہ رہنمائی پاتا ہے۔ وہ ظاہر و باطن کی حقیقت بھی جانتا ہے اور حالات و واقعات اور جملہ اشیاء کی ماہیت بھی اس کے سامنے واضح ہوتی ہے۔

Marfat.com

کتابی علم بہت پیچھے رہ جاتا ہے اور علم لدنّی براہِ راست خدا سے ملتا ہے۔ یہ خردمندی کے ذریعہ نہیں بلکہ سینہ افروزی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور سینہ کیسے روشن ہوتا ہے؟ اِقبال کے الفاظ میں ''سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں'' یعنی میرا سینہ صاحبِ نظر لوگوں کو صحبت میں روشن ہوا۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کتابی علم کی نفی نہیں فرما رہے ہیں۔ اس کی افادیت مسلّم ہے مگر آگے تصوف کے سلوک میں جو علم ملتا ہے وہ اس پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس دور میں اقبال نے دیکھا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ باتیں بنا لیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں درد نہیں ہے، محبت نہیں ہے، معرفت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ:

وہ آنکھ کہ سرمۂ افرنگ سے ہے روشن
پُر کار و سخن ساز ہے، نمناک نہیں ہے

اس راہ میں معرفت درکار ہے اور سلوک کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی لئے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کتابی علم کو محض ایک بوجھ بتا رہے ہیں۔ یہ محض ایک ذہنی سر دردی ہے۔ جب تک آدمی ولیوں کا علم نہیں پاتا جسے معرفت کہتے ہیں، اس کا دل مردہ رہتا ہے اور وہ جاہل ہے کیونکہ روحانی دنیا کے امور کی اسے پہچان نہیں ہوتی۔

علم و معرفت:

''فقیر را باید، گر جاہل باشد، علم خواندؔ وا گر او عالم است، صاحبِ معرفت شود، آنگاہ خدا تعالےٰ را بہ شناسدؔ و داند۔''

(فقیر کو چاہیے کہ اگر جاہل ہو تو علم پڑھے اور اگر عالم ہے تو صاحبِ معرفت ہو، تب وہ خدا تعالےٰ کو جانے پہچانے گا۔)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فقیری و درویشی میں علم کی ضرورت نہیں حالانکہ فقیر تو اس قدر علم رکھتا ہے کہ وہ دوسروں کے علم کو خاطر میں نہیں لاتا۔

Marfat.com

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر علم حاصل کرے اور اگر وہ عالم ہے تو پھر مردانِ حق کی صحبت میں بیٹھ کر ان تجربات و مشاہدات سے گزرے جو اسے حق الیقین کے مرتبے تک پہنچا دیں گے۔ یہی معرفت ہے۔ جب خود دیکھ لے گا تو پھر صحیح معنوں میں اسے دینی حقائق کی پہچان ہوگی۔ اصل دانش وہی ہے جو واردات کے بعد حاصل ہوتی ہے:

کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات (اقبال)

علم با عمل:

''علم با عمل بایدیار، نہ علم حامل بار۔''

(علم کو عمل کے ساتھ مددگار ہونا چاہیے نہ کہ وہ علم کہ جیسے کوئی بوجھ اٹھا رکھا ہو۔)

''کسے کہ بر علم عمل نہ کند، علم براو وبال۔''

''یعنی جو شخص علم پر عمل نہیں کرتا، علم اس پر وبال ہے۔''

اگر علم زندگی میں ممد نہیں ہوتا تو پھر علم کا کیا فائدہ؟ اگر علم عمل میں مددگار نہیں ہوتا تو پھر وہ دل و دماغ کے لئے ایک خواہ مخواہ کا بوجھ ہے۔

آخر میں ایسے بے عمل شخص کا وہی حال ہوتا ہے جو ایک شاعر نے بیان کیا:

علم کیا علم کی حقیقت کیا؟
جیسی جس کے گمان میں آئی (یگانہ)

ایسے آدمی کا علم سے بھی اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وبال اس لئے ہے کہ علم عمل میں نہ ڈھل جائے تو پھر اس کے منفی پہلو ابھرتے ہیں۔ وہ آدمی کو شکوک، وساوس اور اوہام و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

فنا و بقا:

''فقر از خود فنا و با خدا بقا''

(فقر: خود کو چھوڑ کر خدا کے ساتھ رہنا ہے۔)

Marfat.com

ابتدا و انتہا:

''ابتداءِ فقر اشک است و انتہاء فقر عشق، ابتداءِ فقر تصور است، انتہاء فقر تصرف است۔''

(ابتداءِ فقر اشک ہے اور انتہاء فقر عشق ہے، ابتداءِ فقر تصور ہے، انتہاء فقر تصرف ہے۔)

دل میں درد اور سوز و گداز ہو تو فقر کی ابتدا ہوتی ہے، پیر و مرشد کی توجہ سے دل پگھلتا ہے اور درد کی دولت ملتی ہے پھر عشق پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ آگے عشق ہی عشق ہے۔ اسی طرح عملی سلوک میں تصوری طاقت تخلیقی ملکہ حاصل کر لیتی ہے یعنی وہ تخلیقی تخیل Creative imagination میں ڈھل جاتی ہے۔ پھر فقیر صاحبِ تصرف ہوتا ہے، جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یا اللہ اس سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ آگے فرمایا ہے:

''ابتداء فقر صدق و یقین ہے اور انتہاء فقر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی ہے۔''

استغنا:

''چوں بنی کہ اللہ تعالیٰ غنی بے نیاز است و دیگراں مفلس عاجز، پس ترا شرم نیاید کہ غنی را بگذاری و پیش مفلس عاجز سوال بُری۔''

(جب تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی و بے نیاز ہے اور دوسرے سب مفلس و عاجز ہیں۔ تو تجھے شرم نہیں آتی کہ غنی کو چھوڑ دیتا ہے اور ایک مفلس عاجز کے سامنے سوال کرتا ہے۔)

ایک عجیب نفسیاتی اور ایمانی کمزوری ہے کہ آدمی جانتا ہے، اللہ سب وسائل کا مالک ہے، اپنی ذات و صفات میں مکمل ہے اِس لئے بے نیاز ہے مگر پھر بھی انسان ضرورت کے وقت اس کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا بلکہ اپنے جیسے عاجز بندوں کے دروازے پر جا کر دستک اور دستِ سوال دراز کرتا ہے حالانکہ سادہ سی بات ہے، شرم آنی چاہیے کہ بندہ کسی مفلس اور عاجز سے جا کر مانگے اور اللہ کو چھوڑ دے۔

Marfat.com

خواجہء مانگہدار آ بروئے گدائے خویش

آنکہ ز جُوئے دیگراں پُر نہ کند پیالہ را (اقبال)

یعنی اے میرے آقا، اپنے گداگر کی عزت کی حفاظت فرما جو دوسروں کی نہر سے پیالہ نہیں بھرتا ہے۔

خدا کے ساتھ رہ:

''بشنو! اے اہل حق شناس! پیوستہ با خدا باش و ہر چہ از غیر ماسوی اللہ است از لوح دل بتراش کہ بجز ذات حق دیگر نماند۔''

(اے حق شناس، سن! خدا کے ساتھ پیوستہ رہ اور جو کچھ اللہ کے سوا ہے دل کی تختی سے مٹا دے تا کہ دل میں ذاتِ حق کے بغیر کوئی دوسرا نہ ہے۔) وہ شخص جو حق شناس لوگوں میں آ گیا ہے۔ اب اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ خدا سے ملا رہے اور خدا سے ملے رہنے کا طریقہ ذکر ہے۔ اللہ والوں کی صحبت ہے، احکامِ الٰہی کی اطاعت اور ضرورت مندوں اور بیماروں کی خدمت ہے۔ مولانا روم نے کہا ہے:

بدا نکہ مدرسہء عشق را قوانین است

یعنی جان لو کہ عشق کے مدرسہ کے بھی قوانین ہیں اور وہ قوانین یہی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ دل سے اللہ کی محبت کے سوا دوسری چیزوں کی محبت صرف اسی صورت میں دور ہوتی ہے کہ آدمی اللہ والوں کے حلقے میں آ جائے اور وہی کرنے لگے جو وہ کرتے ہیں۔ تب دل سے امورِ دنیا سے لگاؤ دور ہوتا جاتا ہے اور اگر وہ مسلسل اہلِ ذکر اور اہلِ محبت کے ساتھ رہے تو لوحِ دل صاف ہو جاتی ہے اور ذاتِ حق کی تجلیات اس پر اُترنے لگتی ہیں اور پھر دل کی تختی پر صرف حق ہی حق لکھا جاتا ہے اور حق ہی حق باقی رہتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''ذاتِ حق'' کا استعمال کیا ہے۔ جب ذاتِ حق مدِّ نظر رہتی ہے تو پھر صفات کی دنیا، تعینات کے مراتب اور ہر ایک مخلوقات پیچھے رہ

Marfat.com

جاتی ہے اور صرف اللہ ہی اللہ سامنے رہ جاتا ہے۔ یہ سبق رسول اکرم ﷺ کا ہے کیونکہ: ''مصطفےٰ راضی نشد اِلّا بذات۔''

یعنی مصطفےٰ کریم ﷺ ذات کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی نہ ہوئے۔ فقیر صرف ''ذاتِ حق'' کا دلدادہ ہوتا ہے۔ اسماء وصفات کے فیض تک ہی محدود نہیں رہتا۔

تجلی اسم اللہ:

''چوں اسم ذات بر دل منقش گردد، تجلّی اسم اللہ بر دلِ غالب وسوزاں شود، نفس مغلوب گردد۔''

(جب اس اللہ ذات دل پر منقش ہو جاتا ہے اور اس اللہ ذات کی تجلّی دل پر غالب آجاتی اور جل اُٹھتی ہے تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔'')

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کے ذریعہ اللہ کے قرب کے حصول کے لئے ایک مراقبہ تجویز فرمایا ہے جسے تصورِ اسم ذات کہتے ہیں۔ اللہ کا نام خوبصورت انداز میں ایک کارڈ پر لکھا ہوتا ہے تو ذکر کرنے والا اپنی نظر لفظ ''اللہ'' پر جما دیتا ہے اور اللہ اللہ بھی کہتا رہتا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ آنکھیں بند کر کے، آنکھوں کے پردوں کو نہیں بلکہ دل کو دیکھتا ہے کہ اس پر اللہ کا نقش کس حد تک جما ہے اور اسے جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر وقت پر اسم اللہ کے لفظ سے نور کی کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں اور نور برسنے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر دل اللہ سے انس پکڑتا ہے اور آدمی کی پوری نفسیات انوارِ الٰہی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ نفس کے مطالبے ہماری نفسیات کے تقاضے ہیں اور بیشتر کا رجحان برائی کی طرف رہتا ہے۔ کم از کم غیر تربیت یافتہ صورت میں تو ہمیشہ نفس بدی کی طرف ہی مائل رہتا ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اس نفس اَمّارہ کہا گیا ہے۔ یہ نفس امارہ ذکر الٰہی سے مغلوب ہوتا ہے خاص طور پر تصورِ اسم اللہ ذات سے جب اس کا نقش دل پر جم جائے۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر اس کا دل و دماغ اس اسم کے تصور سے ہر وقت روشن رہتے ہیں کیونکہ جب بھی وہ دھیان کرتا ہے تو اس نقش کو دیکھتا ہے۔

Marfat.com

محاسبۂ نفس:

''تفحص بانفسِ خود قاضی باش و برائے کشتنِ این گبر مردِ نمازی باش با خدا راضی باش کہ یار با یار اغیار با اغیار۔ برائے نفس حیلہ و حجت میار۔''

(اپنے نفس کے محاسبے کے لئے خود قاضی بنا رہے۔ اور اس کافر کو مارنے کے لئے مردِ نمازی بن۔ خدا سے اس طرح راضی رہے کہ یار کے ساتھ یار رہے اور اغیار اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ ہو جائیں۔ نفس کی خاطر حیلہ و حجت ڈھونڈ کر مت لا۔)

درویش ہمیشہ اپنی نفسیات پر نظر رکھتا ہے۔ جو کچھ وہ سوچتا ہے محسوس کرتا ہے اور عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں پورا باخبر رہتا ہے۔ یہ نفسیات کی نچلی سطح کی بات ہو رہی ہے۔ جو ایک لحاظ سے حیوانی سطح ہے (دینی اصطلاح میں نفسِ امارہ)۔ چاہیے کہ آدمی اپنے اندر کے حیوان کو مار ڈالے، تب اس کے اندر سے انسان ابھرے گا۔ نفسِ امارہ کو مغلوب کرنے کے بعد اللہ کے احکام کی بندہ اس طرح اطاعت کرے کہ روحانیت کے ساتھ موافق خصلتیں الگ ہو جائیں اور حیوانی خصلتیں الگ پہچانی جائیں۔ یہ تمیز بہت ضروری ہے اور پیغمبر اسی لئے شریعتیں لائے کہ اچھائی اور برائی، جائز اور ناجائز، حلال و حرام کو پہچانا جائے تاکہ بندہ اطاعت کا دم بھرتے ہوئے پھر وہی کرے جو اچھا ہے۔ جائز ہے اور حلال ہے۔ انسانیت کی سطح پر حیوانی جبلتیں ابھرتی رہتی ہیں اور بعض اوقات ان کی تسکین کے لئے آدمی حیلے بہانے تراشنے کی کوشش کرتا ہے۔ جسے جدید دور کی فرائیڈ کی نفسیات میں Justification اور Defence mechanism (خود جوازی، ذہنی دفاع) کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ نے فرمایا تھا:

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دُوناں حیلہ و بے شرمی است

(مردوں کا کام تو دل و دماغ کو روشن کرنا اور گرمانا ہے جبکہ کمینہ صفت لوگوں کا کام

Marfat.com

حیلے بہانے ڈھونڈنا اور ڈھٹائی اختیار کرنا ہے۔)

یاد رہے کہ حیلہ تراشی خصوصاً خواص کے ہاں ایک بہانہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقتِ حال کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی ڈِھٹائی سے کام لے کر بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ خواص کا یہ حال ہے تو ایک عام آدمی کا کیا حال ہوگا؟ اسی لئے صوفیاء کرام نے اپنا محاسبہ ضروری قرار دیا ہے۔ بقول اقبال وہ قوم جو ہر زمانے میں اپنے عمل کا حساب کرتی رہتی ہے، وہ دستِ قضا میں ایک تلوار کی طرح ہے۔ یہی حال فرد کا بھی ہے۔ وہ بھی اپنے محاسبے کے بعد کاٹ دینے والی شمشیر کا حکم رکھتا ہے۔

اپنا اور دوسروں کا محاسبہ:

''مرا ازاں مردم عجب آید کہ بانفس دیگر تفحّص قیدِ عذاب و بانفس خود بے تفحّص خراب۔''

(مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو دوسروں کی ذات کا محاسبہ کر کے ان کو قید و عذاب میں ڈالتے ہیں اور اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتے اور خراب ہوتے رہتے ہیں۔)

فائدۂ دنیا اور فائدۂ دین:

''پس اہل علم کہ فائدہ دنیا گرفت، فائدۂ دین از و برفت۔''

(پس اہل علم عالم نے دنیا کا فائدہ لے لیا تو دین کا فائدہ اس سے جاتا رہا۔)

دُنیا کیا ہے؟:

''دنیا چیست و کہ را گوبند۔ دنیا آنست کہ بندہ را از خدا تعالیٰ باز دارد۔''

(دنیا کیا ہے اور کسے کہتے ہیں۔ دنیا وہ ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے باز رکھتی ہے۔)

صلح کل:

''فقیر صلح کل است۔''

Marfat.com

(فقیر صلحِ کل ہوتا ہے۔)

فقیر برائی کے ساتھ صلح تو نہیں کرتا لیکن دوسروں کی برائی اسقدر برداشت کرتا ہے کہ ان سے انتقام ہی لیتا ہے نہ بروں کے سامنے آپے سے باہر ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ جواب دیتا ہے تو پھر مصلحت اسی میں ہوتی ہے۔ ساتھ ہی حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے نبی ﷺ کی حدیث نقل فرمائی ہے: ''اس وقت تک کوئی بھی مومن نہیں جب کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔'' ایمان کی علامت ''صلح کل'' ہونا ہے۔ اگر ہمارے، فقیر، درویش اور ولی صلح کل نہ ہوتے تو اسلام یوں ایک عالم گیر مذہب نہ ہوتا جیسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ خدمت کرتے تھے، دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو لڑائی جھگڑے پر اُکساتے تھے۔

نفس کیا ہے؟ طمع:

''دانی نفس چیست؟

طمع

تا طمع را بہ (۳) طلاق نہ دہی ہرگز بحق واصل نشوی''

(کیا تو جانتا ہے کہ نفس کیا ہے؟

وہ طمع ہے۔

جب تک تو طمع کو تین طلاق نہیں دیتا، ہرگز حق تعالیٰ سے واصل نہیں ہوسکتا۔) یہاں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی نفسیات کی بدترین بنیادی خصلت کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے اور وہ لالچ، حرص یا طمع ہے۔ اس دور میں ہمارا سارا معاشرتی اور انتظامی سسٹم دنیا میں طمع پر چل رہا ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے: ترقی کی دوڑ میں مقابلہ اور مسابقت۔ کہیں اس کو نرم الفاظ میں صحت مند مقابلہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مقابلہ صحت مند ہو یا غیر صحت مند، اس کے پیشِ نظر طمع کا جذبہ ہوتا ہے۔ مقابلے کی دوڑ دراصل طمع سے قوت پکڑتی ہے۔ آپ نے دیکھا

Marfat.com

ہوگا کہ جو شخص مقابلے میں پیچھے رہ جاتا ہے، اسے کھونے والا Loser کہتے ہیں اور وہ شخص عقیم Frustrated ہو کے رہ جاتا ہے۔ جب سب انحصار ہی طمع تھا اور طمع کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو پھر فریاد و پکار اور انجام مایوسی اور جرم کوشی ہی ہوتا ہے۔

جب تک بندہ طمع کو کلی طور پر نہیں چھوڑتا، وہ خدا کے راستے پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ ہاں اگر طمع کو آپ اچھے معنی دیتے ہیں یعنی کچھ پا لینے کا جذبہ تو پھر اللہ کی راہ کی طمع رکھیئے اور خدا سے جا ملئے۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا ہے:

''ہر کہ را اللہ تعالیٰ و فقر پسند۔ بے طمع گردنش بلند، بے نیاز، چرا کہ طمع نام غم است و فقر یگانہ ازیں غم، غم ندارد۔'' یعنی جسے اللہ تعالیٰ اور فقر پسند ہے۔ وہ بے طمع ہے اور بے نیاز، اس کی گردن بلند رہتی ہے کیونکہ طمع غم کا نام ہے اور فقر یگانہ خدا کو اس غم کا کوئی غم نہیں۔

مقصد قربِ الٰہی اور فقر ہونا چاہیے۔ ایسا شخص بے طمع اور بے نیاز ہوتا ہے۔

''ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز۔'' طمع کا انجام غم اور حزن و ملال ہے۔ مگر فقر میں ایسا نہیں ہے۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف ہوتا ہے نہ حُزن۔ نہ وہ طمعؔ کے غم کو اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اس غم کے غم سے دوچار ہوتے ہیں۔

سنت کے خلاف مت چلو:

''اگر چہ در توحید تمام غرق شوی، خلافِ شرع و سنت مباش۔''

(اگر چہ توحید میں مکمل طور پر غرق ہو جاؤ کبھی شریعت و سنت کے خلاف عمل مت کرو۔)

تصوف و فقر کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کی نظر میں صرف اللہ ہی اللہ رہ جائے۔ کئی جگہ پر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات دہرائی ہے کہ جب فقر کی منزل آتی ہے تو بس پھر اللہ سامنے آ جاتا ہے اور پھر سیر فی اللہ ہے یعنی الوہیت و ربوبیت کے مشاہدات ہیں اور بے شمار تجلیات و واردات۔ اس کو یوں سمجھو کہ ''فقیر توحید میں غرق ہو گیا۔''

Marfat.com

یہ اِستغراقِ توحید کا مقام بڑا ہے۔ یہیں جب فقیر پر حق کی کبریائی کا پرتو پڑتا ہے تو اسے اللہ کے فضل اور فضیلت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مدہوشی کے عالم میں ایسی باتیں منہ سے نکلتی ہیں جو صرف خدا ہی کہہ سکتا ہے۔ (دراصل ان کے منہ سے خدا ہی بول رہا ہوتا ہے) مگر اس کے باوجود تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جس قدر بھی بڑے ہو جاؤ۔ ظاہر و باطن میں تمہاری درستی کا معیار شریعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے یعنی سنت محمدیہ ﷺ۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

پیشوائے خود شریعت ساختم
ہر حقیقت از محمد ﷺ یافتم

یعنی میں نے شریعت کو پیشوا بنایا۔ ہر حقیقت کا علم میں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے پایا۔

اگرچہ یہ بڑوں کی باتیں ہیں مگر چھوٹوں کو بھی یہ یاد رکھنی چاہئیں بلکہ چھوٹوں کو ہی یاد رکھنی چاہئیں۔ بڑے تو عام طور پر اللہ کے فضل سے ہر قسم کی خطاؤں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ شروع سے ہی اگر ان امور کا لحاظ نہ رکھا گیا تو پھر بڑے نہیں بن پائیں گے۔

نظر رحمت خدا:

''بر دِلے کہ نظرِ رحمت خدا است۔ از نفس و شیطان آں دل جدا است۔''

(جس دل پر خدا کی نظر کی رحمت ہے، وہ دل نفس و شیطان سے جدا ہے۔)

شر کی کوئی بھی صورت ہو، کہیں نہ کہیں انسان اس سے زخم کھاتا ہی رہتا ہے۔ شر کو وہ دور کر لیتا ہے مگر اس صورت میں شر نے جو دکھ دیا، اس کی تلافی صرف اللہ کی رحمت ہی کر سکتی ہے۔ یعنی جب اللہ رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو پھر وہ دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ دل ہماری ساری خواہشات کا مرکز ہے۔ ہماری نفسیات بھی اسی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بیرونی عوامل بھی اسے ہی متاثر کرتے ہیں۔ یہ خواہشات اگر پوری ہو جائیں تو دل کمزور ہو جاتا ہے اور اگر پوری نہ ہوں تو

Marfat.com

تھک جاتا ہے۔ بیرونی عوامل دل کو بعض اوقات موت کے قریب پہنچا دیتے ہیں۔ ان سب سے نجات صرف اللہ کی رحمت پر منحصر ہے۔ اسی لئے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو سبق دیا گیا ہے کہ جب کوئی کام شروع کرو تو اللہ کی رحمت کو یاد کرو۔ اور کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔

رحمٰن: رحمت کرنے والا، مہربان

رحیم: بار بار رحم کرنے والا

سچی بات یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں اللہ کی رحمت ہی انسان کو نفس اور شیطان کی بھڑکائی ہوئی آگ سے محفوظ رکھتی ہے اور اس دنیا کی طرف رحمت کی حفاظت میں ہی وہ روانہ ہوتا ہے۔

دعاءِ فقیر:

''خداوندا!

دریائے شہوت در وجود نہادۂ و گفتی خبردار باش، الٰہی بجز رفاقتِ تو بستہ نتوانم کشاد۔ و نفس، شیطان دشمن جانی کردی، بفرمودی کہ بایشاں جنگ بکن۔ من ہر دو دشمن را بچشم ظاہری نمی بینم۔ الٰہی، چشم بینائی بخش کہ ظاہر باطن دشمناں را بہ بینم و با آنہا جنگ کُنم۔ الٰہی! رفیق توفیق تو باید۔ وجود تمام با حرص ہوا طمع بستی، فرمودی کہ بے طمع میباش۔ بجز کرم تو خلاص نشوم۔''

(خداوندا! تو نے وجود کے اندر خواہش کا سمندر رکھ دیا ہے اور کہا خبردار رہو۔ الٰہی! میں تیری رفاقت کے بغیر یہ سربستہ راز نہیں کھول سکتا اور تو نے نفس شیطان کو دشمن جاں بنا دیا اور تو نے فرمایا کہ ان سے جنگ کر۔ میں دونوں دشمنوں کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ الٰہی! مجھے دیکھنے والی آنکھ بخش دے کہ میں ظاہر باطن دشمنوں کو دیکھوں اور ان کے ساتھ جنگ کروں۔ الٰہی، مجھے تیری توفیق کی رفاقت چاہیے۔ تو نے پورا وجود حرص و ہوا اور طمع سے بھر دیا اور فرمایا کہ بے طمع ہو کر رہو! تیرے کرم کے بغیر میں ان سے خلاصی نہیں پا سکتا۔

Marfat.com

جز خدائے نیست با ماجاں عزیز
طالباں ایں بس بود عقلش تمیز

خدا کے سوا ہمیں جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ طالبوں کے لئے یہی عقل اور تمیز کافی ہے!)

☆☆☆

Marfat.com

حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ

پسِ منظر

عظیم روحانی شخصیت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ سے منسوب اس بین الاقوامی ادارے کی بنیاد بیس سال پہلے انھی کے جلیل القدر خانوادے کے چشم و چراغ حضرت صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن سروری قادری اور حضرت صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن سروری قادری نے رکھی رفتہ رفتہ دنیا بھر سے دین کا درد رکھنے والے اس ادارے میں شامل ہوتے گئے۔ اب الحمدللہ یہ ادارہ ایک عالمگیر تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ کی خدمات کا دائرہ تقریباً آدھی دنیا پر محیط ہو چکا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت ہے اس کے مختلف دعوتی و تبلیغی، تعلیمی، تحقیقی، رفاہی اور فلاحی منصوبہ جات مسلسل پھیلتے چلے جا رہے ہیں

اغراض و مقاصد

1۔ عالمگیر سطح پر اسلام کی دعوت، تبلیغ اور اشاعت کا موثر اہتمام۔ 2۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کے افکار و تعلیمات کی اشاعت و ترویج کا موثر انتظام جس کے ذریعے حقیقی تصوف کے علمی و عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے۔ 3۔ علومِ شریعہ اور علومِ عصریہ کا حسین امتزاج تا کہ ایسے رجالِ کار تیار ہو سکیں جو عصری تقاضوں کی روشنی میں دین و ملت کی ہمہ پہلو خدمت کا فریضہ کماحقہ سرانجام دے سکیں۔ 4۔ ملتِ اسلامیہ کے نونہالوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا موثر انتظام جس کے ذریعے انھیں معاشرے کیلئے نفع بخش اور مفید شہری بنایا جا سکے۔ 5۔ عالمگیر سطح پر قحط، سیلاب، زلزلوں اور جنگ وغیرہ سے متاثرہ افراد کی بلا امتیازِ مذہب اور رنگ و نسل بحالی کے لیے جدو جہد

پروگرام انشاءاللہ

شعبہ ایجوکیشن

دینی اور عصری علوم کی ایک ساتھ تعلیم کیلئے پاکستان کے اہم شہروں میں الحراء کمیونٹی کالجز کا اہتمام۔ پاکستان بھر میں قرآن حکیم کی تعلیم (حفظ و ناظرہ) کیلئے مراکزِ تعلیم القرآن کا قیام۔ پاکستان بھر میں طلبہ و طالبات کیلئے میٹرک تک کی عصری تعلیم کیلئے ہولی سکول سسٹم کا قیام۔ حضرت سلطان باہوؒ یونیورسٹی کا قیام

شعبہ دعوت و تبلیغ

اُمتِ مسلمہ کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے مفید اسلامی لٹریچر کی اشاعت۔ نسلِ نو کو بنیادی دینی تعلیم سے آشنا کرنے کے لیے سادہ، عام فہم اور دلکش کتب کی اشاعت۔ اہم اسلامی موضوعات پر ٹرسٹ کے نامور علماءِ کرام

Marfat.com

اور خطباء کی ویڈیوز، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی تیاری۔ عالمگیر سطح پر رجوع الی اللہ، رجوع الی الرسول اور رجوع الی القرآن اور فکرِ آخرت کی تڑپ پیدا کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں تبلیغی اجتماعات، کانفرنسز، سیمینارز کا انعقاد اور دنیا بھر میں تبلیغی وفود کی روانگی۔

شعبہ سماجی بہبود

قحط، سیلاب، زلزلوں، بم دھماکوں اور جنگوں سے متاثرہ افراد کی بحالی کیلئے وسیع تر امدادی کام۔ مستحق افراد کیلئے مختلف علاقوں میں فری ہسپتال، ڈسپنسریز اور بلڈ بینکس کا انتظام۔ منشیات، جہالت، تعصبات اور دیگر معاشرتی برائیوں کے خلاف موثر جنگ۔

پاکستان میں ٹرسٹ کے تعلیمی منصوبہ جات

1۔ الحراء کمیونٹی کالج دربار حضرت سلطان باھوؒ

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کے زیرِ سایہ آستانہ عِحسن پر عظیم الشان تعلیمی نیٹ ورک قائم ہے۔ الحرا کمیونٹی کالج عظیم الشان بلڈنگ میں قائم ہے۔ یہاں پر مڈل پاس اور میٹرک پاس طلبا کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اور انہیں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ بی اے اور ایم اے کی تعلیم بھی دلائی جاتی ہے۔ طلباء بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس ادارے کی ایک اور بلڈنگ جو 24 کمروں پر مشتمل ہے اس کا کام تیزی سے جاری ہے۔ یہ بلڈنگ مکمل ہونے پر بہت سے غریب طلبا اپنی تعلیمی ضروریات پوری کر سکیں گے۔ اسی بلڈنگ کے اندر شعبہ حفظ و تجوید بھی قائم ہے جہاں سینکڑوں طلبہ قرآن کی تعلیم سے مستفیض ہوتے ہیں۔ آستانہ عِحسن پر ہی دوسرا بڑا تعلیمی منصوبہ حرا اکیڈمی ہے جہاں نرسری سے لیکر آٹھویں تک طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر یہاں بھی تعمیرات کا سلسلہ شروع ہے۔ الحمداللہ 25 کمرے تعمیر کے آخری مرحلے میں ہیں اور مزید کمروں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے حرا اکیڈمی نے ہمیشہ فیصل آباد تعلیمی بورڈ میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ الحرا کمیونٹی کالج، جامعتہ الحرا، حرا اکیڈمی اور حضرت سلطان باھوؒ ہسپتال، یہ منصوبہ تقریباً 100 کمروں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے 45 کے قریب کمرے آخری مراحل میں ہیں ابھی 55 کمرے مزید تعمیر ہونا باقی ہیں

2۔ الحرا کمیونٹی گرلز کالج میر پور آزاد کشمیر

آزاد کشمیر کی حسین وادی میں میر پور سٹی کے اندر حضرت سلطان باھوؒ ٹرسٹ نے 2004 میں اپنا تعلیمی منصوبہ الحرا کمیونٹی گرلز کالج کے نام سے F.2 سیکٹر میں کرایہ کی بلڈنگ میں شروع کیا اب الحمداللہ یہ کالج بند بندرال (منھیا ٹاؤن) میں 34 کنال قطعہ اراضی پر قائم ہے۔

3۔ الحرا گرلز کمیونٹی کالج پنڈی سید پور (جہلم)۔ 4۔ الحرا کمیونٹی کالج دھیر کوٹ آزاد کشمیر۔ 5۔ الحرا کمیونٹی سنٹر فار

Marfat.com

گرلز ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ 6۔الحرا کیمونٹی گرلز کالج شورکوٹ کینٹ۔ 7۔الحرا گرلز کیمونٹی کالج ساہنگ نزد جاتلاں آزاد کشمیر۔8۔مرکز تعلیم القران ، پنڈی سید پور 9مرکزِ تعلیم القران ، کراچی۔10۔مرکزِ تعلیم القران ،اولکھ بھائیکے (گوجرانوالہ)۔11۔جامعہ سلطانیہ، ساہیوال۔12۔مرکزِ تعلیم القران شیخوپورہ۔13۔مدرسہ فیضانِ باہو، کھوتیار جالب (جہلم)۔14۔مرکزِ تعلیم القران، پنیالہ (ڈیرہ اسماعیل خان)۔15۔مرکزِ تعلیم القران، ضلع ایسٹ (کراچی)۔16۔مرکزِ تعلیم القران، بلدیہ ٹاؤن (کراچی)۔17۔مرکزِ تعلیم القران، چواسیدن شاہ 18۔حرا اکیڈمی دربار حضرت سلطان باہوؒ۔19۔ہولی آئیڈیل سکول رجانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔20۔الحرا ماڈل سکول پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان۔21۔ہولی سکول سسٹم گاجر گولہ اسٹیشن حافظ آباد۔22۔ہولی سکول سسٹم لاوہ چکوال 23۔الحرا گرلز کیمونٹی کالج نوشہرہ وادیٔ سون خوشاب۔ 24۔الحرا سکول سسٹم اولکھ بھائیکے گوجرانوالہ۔ 25۔حرا پبلک ماڈل سکول کھیوڑہ جہلم۔

برطانیہ میں ٹرسٹ کے منصوبہ جات

1 جامعہ اسلامیہ برمنگھم۔2۔وارڈ اینڈ کیمونٹی کالج عالم راک برمنگھم۔3۔سلطان باہوؒ سنٹر عالم راک برمنگھم
4۔الحرا ایجوکیشنل سنٹر ہال گرین برمنگھم۔5۔گلزارِ مدینہ سیلی اوک برمنگھم۔6۔مدرسہ اسلامیہ نوٹنگھم
7 جامعہ اسلامیہ نوٹنگھم۔8۔جامعہ مسجد سلطانیہ نوٹنگھم۔9۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر مانچسٹر۔10۔الحراء مسجد نیلسن
11۔الحرا ایجوکیشنل سنٹر اپٹن پارک لندن۔12۔حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ بلیک برن۔13۔حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ اوسلو۔14۔جامعہ اسلامیہ حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ بریڈفورڈ۔15۔جامعہ فریدیہ وول ورہمپٹن
16۔الحرا ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سنٹر لوٹن۔17۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر سینڈ وَل۔18۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر لیڈز۔19۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر گلاسکو

قربانی پراجیکٹ

ٹرسٹ کے تحت ہر سال قربانی پراجیکٹ کیا جاتا ہے۔جس کے تحت ہر سال عید الاضحیٰ کے موقعہ پر سینکڑوں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے اور گوشت غریب لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ٹرسٹ کے رواں تعمیراتی منصوبہ جات

الحرا کیمونٹی کالج دربار حضرت سلطان باہوؒ کے نئے بلاک جس میں ۲۴ کمرے شامل ہیں کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری ہے جس پر اب تک خطیر رقم خرچ ہو چکی ہے، ابھی بہت سا کام باقی ہے حرا اکیڈمی میں بہت سی تعمیرات کا کام شروع ہے۔ ۱۰ کمرے تیار ہو چکے ہیں مزید ۱۰ کمروں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے۔حضرت سلطان باہوؒ ہسپتال کی تعمیر تقریباً مکمل ہو چکی ہے لیکن مشینری کا حصول ابھی باقی ہے۔الحرا کیمونٹی گرلز کالج میرپور آزاد کشمیر میں مزید تعمیرات

Marfat.com

کا سلسلہ شروع ہے۔ نئے ہاسٹل اور ایجوکیشن بلاک طلبا اور طالبات کیلئے علحیدہ علحیدہ خوبصورت مساجد کی تعمیر کا کام بھی ابھی باقی ہے۔ الحرا کمیونٹی گرلز کالج سید پور جہلم کیلئے مزید اڑھائی کنال قطعہ اراضی حاصل کرلیا گیا ہے۔ جس پر ہاسٹل تعمیر ہونا باقی ہے۔ حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کے ان منصوبہ جات کی تکمیل کروڑوں کی رقم درکار ہے

ٹرسٹ کے ساتھ تعاون کی مختلف صورتیں

آپ تعمیراتی سامان مثلاً اینٹیں سیمنٹ سریا یا دوسرا ضروری سامان ٹرسٹ کو بطور عطیہ دے سکتے ہیں

کسی ادارے میں بلاک یا کمرے کی تعمیر اپنے ذمے لے سکتے ہیں آپ کا یہ عمل آپ کے اور آپ کے مرحومین کیلئے مستقلاً صدقہ جاریہ ہے۔ اوران کے ایصالِ ثواب کی بہترین صورت بھی

ایک کمرے کی تعمیر کے اخراجات۔3000۔ ایک دیوار کی تعمیر کے اخراجات۔450

ایک دروازہ کی تعمیر کے اخراجات۔150۔ ایک کھڑکی کی تعمیر کے اخراجات۔100

سومربع فٹ جگہ کی تعمیر کے اخراجات۔5000

سپانسر شپ سکیم

آپ اس ادارے میں زیرِ تعلیم غریب یتیم بچوں کو سپانسر کر سکتے ہیں ایک طالب علم کو سپانسر کرنے کیلئے مبلغ 30 پونڈ ماہانہ ادا کرنا ہونگے۔ اس کے علاوہ آپ اپنی زکات، صدقات، عطیات اور فطرانہ بھی حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کو دے کر خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت کی اس عالم گیر تحریک میں ہمارے دست و بازو بن سکتے ہیں آپ کی دی ہوئی پائی پائی امانت اور دیانت کے ساتھ خرچ کی جائے گی

پاکستان اکاؤنٹ نمبر 8-421 مسلم کمرشل بینک رائے ونڈ روڈ ٹھوکر نیاز بیگ

برطانیہ اکاؤنٹ نمبر

Hazrat Sultan Bahu Trust A/c no. 01739018

Sort Code 40-42-12

IBAN GB 41 MIDL40421201739018

BRANCH INDTIFIER CODE MIDLGB2155G

DONATION HOT LINE +44(0)121 4404096

حضرت سلطان باہو ٹرسٹ

17۔ایمبر سلے روڈ بی 12۔8 یو آر برمنگھم

Marfat.com

اے تازہ واردانِ بساطِ جہانِ فقر

(فقر و تصوف: ہدایت و تلقین)

مرتبہ: نائلہ اکرام

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی

Marfat.com